ترجمان اسلام

ہفت روزہ

نگران اعلیٰ
مفتی محمود

۲۸ دسمبر سنہ ۱۹۷۹ء

تا

۳ جنوری سنہ ۱۹۸۰ء

قیمت ایک روپیہ پچاس پیسہ

آخری شمارہ نمبر ۵۲

وفاق المدارس کا نتیجہ

صفحہ ۲۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

انیسویں اور بیسویں صدی کا ہندوستان

بانی دار العلوم دیوبند

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

اب بھی یہ زمانہ جو سنبھل جائے تو اچھا

دل اشکوں میں بہہ کر ہی نکل جائے تو اچھا
وادی میں ہی یہ برف پگھل جائے تو اچھا

جادو میرے افکار کا چل جائے تو اچھا
یہ ڈھنگ زمانے کا بدل جائے تو اچھا

سورج ہے مرے سر پہ یہ ٹل جائے تو اچھا
خود اپنی ہی گرمی سے یہ جل جائے تو اچھا

پھر اپنے ہی لائے ہوئے طوفاں میں نہ بہہ جائے
اب بھی یہ زمانہ جو سنبھل جائے تو اچھا

جو حسن ترے پیکرِ رنگیں کا ہے مظہر
سانچے میں مرے شعر کے ڈھل جائے تو اچھا

جس درد کی موجیں ہیں رواں قلزمِ دل میں
وہ درد کناروں سے اُچھل جائے تو اچھا

مرنا تو ہے لیکن، مرے دل کی ہے تمنّا
دم آپ کے قدموں میں نکل جائے تو اچھا

اس دَور میں مشکل ہوئی تفریق زن و مرد
فیشن کا یہ انداز بدل جائے تو اچھا

اے کاش میں اک رات تو ناز اُسکے اٹھاؤں
مہمان جو آج آیا ہے کل جائے تو اچھا

آج اُس نے مجھے "آپ" سے "تم" کہہ کے بلایا
یہ "تم" بھی اگر "تو" میں بدل جائے تو اچھا

قائم نہ رہے ربط ہی جب دِل سے زباں کا
ہونٹوں پہ دُعا خود ہی مچل جائے تو اچھا

ہر ذرۂ رہ پر ترے قدموں کے نشاں ہیں
سلمان وہاں سر کے جو بل جائے تو اچھا

سید سلمان گیلانی

ہفت روزہ
ترجمان اسلام
لاہور

جلد نمبر ۲۲ | شمارہ نمبر ۵۲

جمعتہ المبارک صفر المظفر ۱۴۰۰ھ ۲۸ دسمبر

— سرپرست —
مولانا عبید اللہ انور

— مدیر —
اکرام القادری

— مدیر معاون —
عمیر الہاشمی

— بدلِ اشتراک —
سالانہ
۶۵ — روپے
ششماہی
۳۳ — روپے
سہ ماہی — ۱۷ روپے

قیمت
ایک روپیہ پچاس پیسے

— یکے از مطبوعات —

خط و کتابت : ترجمانِ اسلام چوک رنگ محل لاہور

جرائم کی رفتار

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ مجرموں کو شدید سزائیں دیئے جانے کے باوجود جرائم بالکل ختم نہیں ہوئے۔ گو ایک حد تک جرائم میں کمی واقع ہوئی ہے مگر ایسا نہیں ہو سکا کہ امن پسند شہری اپنے مال و جان اور آبرو کے بارے میں کسی قسم کا خطرہ محسوس نہ کریں۔ دیگر جرائم کے علاوہ پچھلے دنوں لاہور میں انارکلی پیسہ اخبار کے چنگڑ محلہ کے احاطہ بیری والا کے ایک حرماں نصیب ریڑھی بان عید محمد عرف عیدو کے دو ننھے معصوم جگر پاروں کو اغوا کر کے جس سفاکی، درندگی اور ظالمانہ طریقے سے بعض نامعلوم افراد نے موت کے گھاٹ اتارا ہے، اس کی تفصیلات قوم اور اربابِ اختیار کے سامنے آچکی ہیں۔ اس سے قبل کراچی میں ایک ہی کنبہ کے آٹھ افراد کے قتل کی لرزہ خیز واردات بھی کسی سے اوجھل نہیں۔ کراچی والے واقعہ کی تحقیقات بھی جاری ہیں اور موجودہ دلدوز واقعہ بھی تحقیقات و تفتیش کی سان پر چڑھ چکا ہے۔

لاہور میں دو معصوم نونہالوں کی جس بیدردی سے جان لی ہے اور ان کے والدین پر جو قیامت بیتی ہے اسکا تقاضہ تو یہی ہے کہ پوری کوشش و محنت سے مجرموں کا سراغ لگایا جائے اور انہیں برسرِ عام تختۂ دار پر چڑھا کر عبرت کا مرقع بنا دیا جائے تاکہ ان ظالموں کو آخرت کی سزا کے علاوہ دنیا بھی نشانِ عبرت سمجھے اور یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لعنت و نفرت کی علامت بن جائیں۔

ہمارے نزدیک جرائم کے مکمل انسداد کا پائیدار اور مستقل حل یہی ہے کہ شرعی حدود جو ملک میں نافذ ہیں انہیں مکمل عملدرآمد کیا جائے ان حدود کے نفاذ کی ابتدا میں جرائم کی رفتار میں خاصی کمی آگئی تھی اور بعض شرعی عدالتوں کے حدود کے مطابق فیصلوں نے مجرموں کو خاصا خوف زدہ کیا ہوا تھا۔

اب مارشل لاء کی سختی نے جرائم کی رفتار کو کچھ کم کیا ہے، لیکن یہ بھی کوئی ایسا مستحکم حل نہیں ہے جس سے جرائم کی جڑ کٹ جائے اور ملک امن و آشتی اور اخوت و بھائی چارگی کا گہوارہ بن جائے۔ مکمل امن و سلامتی کے لئے شرعی حدود پر سختی سے عمل کرانا ہی کارآمد ثابت ہو سکتا ہے۔

تقریباً دس ماہ کا عرصہ شرعی حدود کے نفاذ کے اعلان کو ہو گیا۔ اس عرصہ میں اگر دس چوروں کے ہاتھ کاٹ دیئے جاتے۔ دس قاتلوں کو برسرِ عام حوالۂ دار کر دیا جاتا اور دس زانیوں کو سنگسار کر دیا جاتا تو ملک میں ڈھونڈنے سے بھی کوئی مجرم نظر نہ آتا اور ہر طرف امن و اطمینان کی برکھا ہوتی۔

حالیہ واقعہ سے ہماری آنکھیں کھل جانی چاہئیں اور ہمیں خیالات و تصورات اور "سب اچھا" کی جنت سے نکل کر عمل کے میدان میں آنا چاہیئے۔ چشم زدن میں جس ماں کے لعل ذبح کر دیئے گئے ہوں اور دیکھتے ہی دیکھتے جس باپ کے چراغ گل کر دیئے گئے ہوں، ان کے دل سے

باقی صفحہ ۱۲ پر

ا ن ح ۔ شاہ بخاری

امیر المومنین سیّد احمد شہیدؒ اور ان کی امامت و بیعت

شریعت بنچ لاہور ہائی کورٹ میں ایک بحث کی حقیقت و وضاحت

لاہور ہائی کورٹ کے مسٹر جسٹس ایم۔ ایس۔ ایچ قریشی، مسٹر جسٹس جاوید اقبال اور مسٹر جسٹس عبید اللہ خان پر مشتمل شریعت بنچ کے روبرو سپریم کورٹ کے ریٹائرڈ جج مسٹر بدیع الزمان کیکاؤس کی دائر کردہ رٹ درخواست کی سماعت ہو رہی ہے جس میں عام انتخابات کے موجودہ طریقہ کار کو غیر اسلامی اور پارلیمانی نظام حکومت کو اسلام سے متصادم نظام قرار دینے کی استدعا کی ہے۔ چنانچہ گذشتہ دنوں میں مولانا زاہد الراشدی نے بھی اس مقدمہ کے فریق بننے کی درخواست پیش کی ہے جو منظور کی گئی ہے۔ سربراہ مملکت سے متعلق شرعی نقطۂ نگاہ کے مطابق خلافت اور امامت کے موضوع پر کافی بحث کی گئی ہے۔ اس دوران سیّد احمد شہیدؒ کی خلافت و امامت کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ تحقیقی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو واضح طور سے ثابت ہوگا کہ اسلام نے امامت کی ضرورت اور شروط سے متعلق جو تصور پیش کیا ہے سیّد احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی اس تحریک میں واضح طور سے نظر آئیگا اور اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ سیّد احمد شہیدؒ کی بیعت امامت کو اسلامی سربراہی اور خلافت کی بیعت تصور کی جائے، چنانچہ مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی اس سلسلہ میں سیرت سیّد احمد شہیدؒ جلد اول کے آخری باب میں لکھتے ہیں کہ :

اکوڑہ خٹک اور حضرو کے چھاپے کے واقعات سے صاف تجربہ ہو گیا کہ ملکی لوگ کسی نظام اور ضابطے کے پابند نہیں۔ جنگ کے موقع پر وہ فوراً لوٹ پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور مالِ غنیمت شرعی اصول پر تقسیم نہیں ہونے پاتا۔ اس لئے علماء لشکر کا بالاتفاق فیصلہ ہوا کہ سب سے زیادہ ضروری اور مقدم کام یہ ہے کہ اپنا امام مقرر کر لیا جائے تاکہ اس کی قیادت اور امامت میں شرعی جہاد ہو، محض بلوہ اور لوٹ مار نہ ہو۔ منظم جنگ ہو۔ مال غنیمت کی شرعی تقسیم ہو۔ احکام شریعت و قوانین اور حدود شرعیہ کا اجراء قضاء اور محتسبین کا تقرر و انتظام ہو اور جو نافرمانی کرے وہ باغی اور خارج از جماعت ہو۔ چنانچہ پنج شنبہ کے دن ۱۲ جمادی الاخر ۱۲۴۲ھ کو بالاتفاق سیّد صاحب کے ہاتھ پر بیعت امامت و خلافت کر لی۔ ۱۳ جمادی الآخر کو جمعہ کے روز آپؒ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا بیعت امامت کے بعد آپؒ نے پوری تصریح و وضاحت کے ساتھ اعلان کر دیا کہ امام کی مکمل اطاعت اور احکام و قانون شریعت کی پوری پابندی کرنی ہوگی۔ تمام رسوم جاہلیت اور امور غیر مشروع مخالفِ شریعت۔ رواج و دستور یک قلم چھوڑنے پڑیں گے اور اس کے لئے ہر طرح کا ایثار و قربانی ترک مال و جاہ و عزت کرنا پڑے گا۔ آپ کی امامت کی خبر اہل ملک میں جابجا مشہور ہوئی۔ علماء سادات، خوانین اور رئیس سب نے بیعت امامت کی۔ امیر المومنین سیّد احمد شہیدؒ بریلویؒ نے پورے ہندوستان میں اپنی امامت کی اطلاع دی۔ اس سلسلہ میں ایک خط میں وہ خود لکھتے ہیں کہ :۔

اللہ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے اپنے فضل سے اس فقیر یعنی سیّد احمد کو پہلے اشاراتِ غیبی و الہامات لاریب سے اس منصب شریف کی بشارت دی، پھر مومنین صادقین، سادات و علماء عظام، مشائخ کرام، خوانین عالی مقام اور خواص و عام کی ایک جماعت کثیر کا دل مائل کر کے مجھ کو اس منصب شریف سے مشرف فرمایا۔ چنانچہ بروز پنجشنبہ تاریخ ۱۲ جمادی الاخر ۱۲۴۲ھ مخلص مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نے جن میں حاد خان، اشرف خان، فتح خان، اسعاد خان، بہرام خان اور علما سادات و خوانین تھے، اس فقیر کے ہاتھ پر بیعت امامت کی اور فقیر کو اپنا امام قرار دیا اور اس کی امامت و ریاست کو تسلیم کیا اور اطاعت کا حلقہ اپنی گردنوں میں ڈالا اور اسی مہینہ کی ۱۳ تاریخ کو جمعہ کا دن تھا خطبے میں فقیر کا نام داخل کیا۔ الخ

مولانا سید اسمٰعیل شہیدؒ نے آپ کی امامت اور اور بیعت سے متعلق متعدد خطوط لکھے ہیں اپنے ایک خط میں جو امامت کی ضرورت شروط اور بیعت سے متعلق ہے، لکھتے ہیں :

" پس آپ کی اطاعت تمام مسلمانوں پر واجب

باقی صـ پر

رواں دواں

زاہد بلند شہری

میں اسلام آباد ہوں

مجھے یاد نہیں کہ میرا نام کس نے تجویز کیا البتہ اتنا یاد ہے کہ فیلڈ مارشل ایوب خاں مرحوم کے حکم پر میری تعمیر ہوئی تھی اور شاید انہوں نے ہی میرا اچھا سا نام رکھنے کا حکم دیا تھا میرے وطن اور میرے دل یعنی آئین کی مناسبت سے تو میرا حالیہ نام نہایت مناسب ہے اور مجھے پسند بھی ہے۔ اچھا ہی ہوا کہ میں معرضِ وجود میں آگیا کیونکہ میرے وجود سے پاکستان اب پسماندہ ملکوں کی صف سے نکل کر ترقی پذیر ملکوں کے حلقوں میں داخل ہو گیا ہے کیونکہ ہر غیر ملکی مہمان مجھ میں سمو کر اجنبیت محسوس نہیں کرتا اور اپنے ملک جا کر وہ یہ کبھی نہیں کہتا کہ پاکستان پسماندہ اور غریب ملک ہے، خصوصاً وہ غیر ملکی جو براعظم یورپ اور براعظم امریکہ سے تعلق رکھتا ہو۔ رہی عرب بھائیوں کی بات تو وہ آپ جانتے ہی ہیں کہ میرے سابقہ مالکان عوام کے نام پر ان سے کن کن حربوں سے دولت سمیٹ کر اپنی تجوریاں بھرتے رہے۔ یہ سب اندر کی باتیں ہیں۔ مجھے کیا معلوم!

میرے دیگر بھائی مجھے بڑے رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کیونکہ مجھ میں ہر ملک کا سفارت خانہ ہے۔ ہر عالمی تنظیم کا ذیلی دفتر بھی موجود ہے،

عوام کے منتخب کردہ اراکین کی بحث وتمحیص کے لئے پارلیمنٹ (جمہوری دارہ) کی عمارت اور اراکین کے رہنے کی جگہ (ہوسٹل) بھی میرے پہلو میں ہے۔ سرکاری بنکوں، انشورنس کمپنیوں کے دفاتر بھی آہستہ آہستہ میری زینت بنتے جارہے ہیں۔

آپ نے شاید میرے اعضاء نہ دیکھے ہوں، اس لئے بتاتا چلوں کہ میرے اعضاء میں سے کچھ سڑکوں کی حیثیت سے بکثرت دیکھنے کو ملیں گے۔ یہ سڑکیں غریب آدمی کے تصور سے بھی دور ہیں۔ یہاں غریب آدمی کا کیا کام۔ ان طویل اور چمکدار سڑکوں پر لمبی لمبی کاریں ہی فراٹے بھر سکتی ہیں یا پھر غریب آدمی ان سڑکوں پر کھڑے ہو کر اپنی مفلسی کی آہیں بھر سکتا ہے۔ حد نگاہ تک بیش قیمت بنگلے اور مغربی طرز تعمیر کے اعلیٰ نمونے کی شاہکار کوٹھیاں ومکانات نظر آئیں گے۔

میرے ایک جانب شکر پڑیاں ہے جہاں اکثر وبیشتر مہمان یہاں تفریح کرنے آتے ہیں۔ کچھ فاصلے پر دنیا کی سب سے بڑی مسجد "شاہ فیصل مسجد" کے نام سے تعمیر ہو رہی ہے۔ ابھی تک تو مسجد کے لئے جگہ ہموار کی جا رہی ہے اور ابتدائی کام مکمل کیا جا رہا ہے۔

میرے درمیان میں کئی مارکیٹیں ہیں، جہاں ضرورت کی ہر چیز باآسانی مل جاتی ہے قیمتیں تو بہرحال وہی رہتی ہیں جو ایک ترقی یافتہ شہر میں ہونی چاہئیں۔

ملک کا انتظام چلانے والے تمام وفاقی وزراء کی عالیشان کوٹھیاں بھی میرے حُسن کا حصہ ہیں۔ یہاں مستقل رہنے والوں میں جہاں وزراء، مشیر اور افسر شاہی شامل ہے وہاں ممالکِ غیر کے سفارت کار بھی یہیں رہتے ہیں

یہاں کسی قسم کی بدانتظامی کبھی دیکھنے میں نہیں آئی، البتہ کبھی سالوں میں ایک آدھ جلوس نکل آئے تو کوئی بات نہیں۔ آخر لوگوں نے اپنا ذائقہ بھی تو بدلنا ہوتا ہے۔ پچھلے دنوں

جب حرمت مسجد حرام کو پامال کرنے کی کوشش کی گئی تو میرے پڑوسی بھائی اور خود میرے اپنے فرزندوں نے غیض وغضب کا اظہار کیا۔ میں خود بھی لرز گیا تھا اور میرے جسم کے اس حصے سے جہاں امریکی سفارت کار ہیں آگ بھڑک اٹھی تھی۔ یہ میرا چشم دید واقعہ ہے۔ (اور کیوں نہ ہو چشم دید آخر میرے جسم پر ہی تو یہ سب کچھ ہوا) کہ امریکی سفارت کاروں کا یہ دفتر اتنا بڑا ہے شاید میرے منتظمین یا میرے ملک کے وفاقی انتظام کاروں کے تمام دفتر ملا کر بھی اتنا بڑا نہ بن سکے۔ اور اس اکیلے سفارت خانے میں اتنی کاریں ہیں کہ حکومت پاکستان کے تمام وفاقی وزارتیں بھی مل کر اس کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ اس امریکی دفتر میں (۳۰۰) تین سو کاریں ہیں۔ آتشزدگی کے دوران ۷۰ کے لگ بھگ کاریں جل گئیں۔ اس میں سب سے بڑا خودکار پلانٹ بھی لگا ہوا تھا جو نوجوان طلبا کے جذبے کی نذر ہو گیا۔ امریکی حکومت نے اپنے افسر کارکنوں کو ریڈیو اور ٹی وی دکھانے کے لئے جو جدید مشینیں نصب کی تھیں انہیں بھی خاصا نقصان پہنچا۔ بہرحال حکومت پاکستان نے ۹۰ کروڑ کے نقصان کا اندازہ لگایا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ صرف ۳۰ اور ۳۵ کروڑ کے درمیان نقصان ہوا ہوگا۔

اگر آپ کو کبھی ویگن یا اربن ٹرانسپورٹ سے میری سیر کرنے کا اتفاق ہو تو آپ کو عجیب وغریب اسٹاپوں کے نام ملیں گے جن میں سے ایک آبپارہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حد نظر تک آپ کو کہیں بھی پانی کا ٹکڑا نظر نہیں آئے گا۔ ایک اسٹاپ "زیرو پوائنٹ" کہلاتا ہے جبکہ اس نام کی نسبت سے وہاں کوئی بھی گول دائرہ نہیں یا یہ جگہ ایسی نہیں کہ یہاں کے بعد میری حدود ختم ہو جاتی ہوں اور یوں اس جگہ کا نام "زیرو پوائنٹ" رکھ دیا جائے۔

پہلے پہل میرا ریڈیو اسٹیشن علیحدہ نہیں تھا مگر اب کافی عرصے سے میرا علیحدہ اسٹیشن ہے۔ عالمی نشریات بھی یہیں سے ہوتی ہیں۔ میرے ملک کے باسیوں کو اعتراض ہے کہ اس اسٹیشن سے ہر وقت گانے ہی نشر ہوتے ہیں بلکہ اسی فیصد وقت گانوں کی نشریات پر صرف ہوتا ہے۔ یہ شکایت بجا ہے حالانکہ مجھے بھی اسم بامسمی ہونا چاہئے مگر ایسا نہیں ہے۔ میں خود بھی مجبور ہوں اگر ارباب ریڈیو یہ کہتے ہوں کہ سامعین گانے زیادہ پسند کرتے ہیں تو سراسر غلط ہے۔ ایسے لوگوں کی مثال تو ایسے ہے جیسے آٹے میں نمک! اب ریڈیو کے کرتا دھرتا خود فیصلہ کریں کہ "جمہوریت پسند" ہونے کے ناطے اکثریت کی بات مانتے ہیں یا اقلیت کی!۔

چند سال پیشتر تک ریڈیو پاکستان کی خبریں کراچی سے ریلے کی جاتی تھیں مگر بعد میں ریڈیو اسٹیشن ہونے سے خبروں اور قومی پروگراموں کی براڈ کاسٹنگ یہاں سے شروع ہو گئی۔

میری تعمیر سے پچھلے ماہ تک کوئی ریلوے اسٹیشن نہ تھا۔ پچھلے ماہ میرے حسین وجمیل حصے مارگلہ تک ریلوے لائن بچھانے اور ریلوے اسٹیشن کی تعمیر کا کام مکمل ہو گیا۔

علم کا سرچشمہ قائد اعظم یونیورسٹی اور علامہ اقبال اوپن (کھلی) یونیورسٹی بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ کئی کالج اور سکول کام کر رہے ہیں۔

صفائی ستھرائی کی حالت فی الحال خطرے سے باہر ہے اگر انتظامیہ اور سی۔ڈی۔اے کوشش کرے تو حالت سدھر سکتی ہے۔ آپ ایسے پڑھ کر یقیناً حیرت کا اظہار کریں گے مگر حیرت کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ

افسر شاہی و نوکر شاہی اپنا وجود ہر علاقے میں بلا تفریق رکھتی ہیں۔ دفاتر میں فائلوں کے انبار اور سڑکوں پر کوڑا کرکٹ اس کی نادر مثالیں ہیں۔

علم و دانش کے اداروں کے علاوہ میری مانگ ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں سے بھی پر ہے۔ اخبارات ورسائل بھی مناسب تعداد میں شائع ہوتے ہیں۔ ادبی حلقوں کے اجلاس بھی بڑی آب وتاب سے منعقد ہوتے ہیں۔

آپ کو یہ پڑھ کر حیرانی ہوگی کہ میری اہمیت ایک مرکزی مقام کی حیثیت سے مسلم ہے مگر میرے سابق آقا (جو پچھلے دو سال گزرے تبدیل ہو چکے ہیں) کی رہائش میرے سینے پر مونگ نہیں دلتی۔ وہ میرے پڑوسی بھائی راولپنڈی کے چھاؤنی کے علاقے میں ہے۔ اسے پہلے "پرائم منسٹر ہاؤس"

آخر میں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھے پاکستان کے تمام شہروں پر خصوصی فوقیت کیوں حاصل ہے؟ اس لئے کہ میں پاکستان کا دارالحکومت یا دارالخلافہ ہوں۔ میرا تعلق پاکستان کے کسی صوبہ سے نہیں ہے۔ میری اپنی الگ حیثیت ہے۔ میری قومی اسمبلی کی نشست علیحدہ ہے۔ میری ہر چیز سب سے علیحدہ ہے کیونکہ میں خود بھی انفرادی حیثیت رکھتا ہوں مگر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ جب بھی ہمسایہ ملکوں کو پاکستان سے کوئی شکایت ہوتی ہے تو مجھے ہی اپنی زہریلی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ کسی فرد واحد کو نہیں۔

آخر کیوں؟

بسلسلہ انقلابی مسلمان

ظہور الدین بٹ

انیسویں اور بیسویں صدی کا ہندوستان

ہندوستان کے انقلابی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی' سرحد میں آزاد مسلم ریاست کے قیام کی کوششوں اور برطانوی فوجوں سے انقلابیوں کی براہ راست اور بالواسطہ جھڑپوں نے انگریزوں کا ناطقہ بند کرکے رکھ دیا تھا۔ مسلمان چونکہ ہندوستان کے سابق حاکم تھے اور صلیبی جنگوں کے دور سے ہی یورپی اقوام ان کو اپنا دشمن تصور کرتی تھیں' اس لئے ان کے سات سو برس کے اثرات حکومت زائل کرنے کے لئے انگریزوں نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی ساری ذمہ داری مسلمانوں پر ڈال دی۔ اُن سے اپنا پرانا حساب چکانے کے لئے تعصب انتقام ان کو خوب تباہ و برباد کیا۔

۱۸۵۸ء میں برطانوی پارلیمنٹ کے ایک قانون کے ذریعے ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی بجائے تاج اور برطانوی پارلیمنٹ کی حکومت کے قیام کی سعی کی گئی۔ یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو ملکہ وکٹوریا نے ایک اعلان کے ذریعے ہندوستان کے والیان ریاست' زمینداروں اور عوام کو تشفی دی اور یقین دلایا کہ مذہب کے معاملے میں حکومت برطانیہ غیر جانبداری اور رواداری سے کام لے گی اور سرکاری عہدوں پر مذہب و ملت کے لوگوں کو یکساں حق حاصل ہوگا بشرطیکہ ان میں اس کام کی لیاقت اور صلاحیت ہو۔

بنگال، مدراس اور بمبئی میں انگریزوں کا قیام طویل عرصے سے تھا۔ انگریزی تعلیم بھی سب سے پہلے وہیں شروع ہوئی — ہندوؤں نے انگریزی تعلیم کو اشتیاق سے قبول کیا اور پارلیمانی طرز حکومت اور اس کے سیاسی نظام کو سمجھا۔ بعد ازاں انہوں نے حکومت برطانیہ کی خدمت میں یہ درخواستیں بھی پیش کرنا شروع کر دیں کہ ہندوستان میں انتخابی اور نیابتی ادارے قائم کئے جائیں۔

مسلمان ۱۸۵۷ء کے واقعے کے سبب انگریزوں کے قہر و عتاب کے ہدف بنے ہوئے تھے۔ انہیں اتنی مہلت ہی نہ مل سکی تھی کہ وہ بھی ہندوؤں کی طرح اس طرف توجہ دیں' ویسے بھی ہندوستان میں صرف انہی کو پامال کیا گیا تھا۔ ان حالات میں علی گڑھ کے سرسید احمد خان نے کوشش کی کہ مسلمان بھی انگریزی تعلیم حاصل کرکے نئے حالات میں زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائیں تاکہ انگریزوں کی بدگمانیاں دُور کی جا سکیں۔ اسی مقصد کے لئے انہوں نے رسالہ 'اسباب بغاوت ہند' تحریر کیا۔

مسٹر اوکٹیویم ہیوم' ایک برطانوی عہدہ دار نے لارڈ ڈفرن اور دیگر ممتاز انگریزوں سے مشورہ کے بعد "انڈین نیشنل کانگریس" کی بنیاد رکھی اور اس کا پہلا اجلاس ۲۸ دسمبر ۱۸۸۵ء کو گوکل داس تیج پال سنسکرت کالج بمبئی میں منعقد کیا۔ ایک عرصہ دراز تک کانگریس انگریز چلاتے رہے اور ہندو ان کی خوشامد اور چاپلوسی کرتے رہے تاکہ وہ ہندوستان میں پارلیمانی طرز حکومت قائم کر دیں۔ بظاہر یہ بڑی روشن خیالی کی باتیں تھیں مگر دراصل ہندوؤں کی طرف سے انگریزوں کے زیر سایہ مسلمانوں کو غلام بنائے رکھنے کی ایک گہری سازش تھی۔ انہوں نے اس بات کی بڑی کوشش کی کہ چند مسلمان بھی کانگریس میں شامل ہو جائیں تاکہ وہ کانگریس کو ہندوستانیوں کی واحد جماعت کے طور پر پیش کر سکیں۔ فرانس کے مشہور مستشرق گارساں دے تاسی جنہوں نے اردو زبان کی تحقیق پر اپنی ایک عمر صرف کی اسی ضمن میں رقمطراز ہیں:

"ہندو اپنے تعصب کی وجہ سے
ہر ایک امر کے مزاحم ہوتے ہیں
جو ان کو مسلمانوں کی حکومت
کا زمانہ یاد دلائے۔"

ہندوؤں کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف جو عناد تھا اسی کے تحت انہوں نے مسلمانوں سے مشورے کے بغیر قائم کی اور جب وہ اپنے انتشار اور فساد کی منزل کی طرف چل پڑی تو انہوں نے اس میں مسلمانوں کو بھی شریک کرنے کی کوشش کی۔

مارکوئس آف لینڈ اون' وائسرائے کے دور میں ہندوستانی کونسلوں کے لئے ۱۸۹۲ء میں ایک آئین منظور کیا گیا۔ اس آئین کے تحت ۱۸۹۳ء میں انتخابات ہوئے جن میں مسلمانوں کو انہی ناکامیوں سے دوچار ہونا پڑا جن کا منہ انہیں میونسپل اور ڈسٹرکٹ کونسلوں کے انتخابات میں دیکھنا پڑا تھا۔

بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے حالات میں بڑی تیزی کے ساتھ تبدیلی آئی۔ ۱۹۰۵ء میں انتظامی مشکلات کے سبب بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ہندوؤں نے اس پر سخت شورش کی اور کانگریس ہندوستان گیر ایجی ٹیشن کیا کیونکہ تقسیم بنگال سے مشرقی بنگال کے مسلمانوں کو فائدہ پہنچ رہا تھا۔

مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ کے ایک اجلاس میں آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی۔ مسلم لیگ کے بانی اور اس کی تنظیم میں جن لوگوں نے حصہ لیا ان میں نواب محسن الملک، نواب وقار الملک اور مولانا محمد علی وغیرہ سرفہرست ہیں۔

مسلم لیگ نے اپنی کم عمری کے باوجود منٹو مارلے اسکیم کے سلسلہ میں بڑی کامیابی حاصل کی مگر وہ تنسیخ بنگال کو نہ روک سکی۔ دسمبر ۱۹۱۱ء میں دہلی کے دربار میں انگلستان کے شہنشاہ نے تنسیخ بنگال کا اعلان کردیا اور اس طرح انگریز ہندوستان میں ہندوؤں کے ایجی ٹیشن سے مرعوب ہوگئے۔ ہندوستان کی سیاست پر کانگریس اور مسلمانوں پر انگریزی تسلط بڑھتا جارہا تھا۔

عالمی سیاست کے نقشہ پر مسلمانوں کی ریاست سکڑتی جارہی تھی۔ طرابلس پہ مسلمان ابھی اٹلی سے برسرپیکار ہی تھے کہ بلقان کی ریاستوں نے متحدہ طور پر ترکی پر حملہ کردیا۔ اس حملے کا واضح مقصد ترکی اور اسلام کو یورپ سے نکال باہر کرنا تھا۔ برطانیہ ان سازشوں میں برابر کا شریک تھا۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے ترکوں کی تائید میں ایسا شاندار مظاہرہ کیا کہ اس کے تصور ہی سے دلوں میں حرارت پیدا ہوجاتی ہے۔ تمام ملک سے چندے ہوئے اور ترکوں کو مالی امداد روانہ کی گئی۔ خود مولانا محمد علی نے ایک طبی وفد کا انتظام کیا جو ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی سرکردگی میں بلقان گیا۔

ہندوستان میں مسلمان آزادی کی آتشی جنگ میں مشغول تھے تو سرحد کے علاقے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، سید احمد شہیدؒ اور مولانا ولایت علیؒ کے مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے مجاہدین آزادی کی مسلح جدوجہد میں مصروف تھے۔ مولانا عبدالکریمؒ ۱۱ فروری ۱۹۱۵ء کو اسمست کے مقام پر وفات پاگئے۔ ان کے بعد نعمت اللہ نبیرہ، مولانا عبداللہ اور ۴ مئی ۱۹۲۱ء میں ان کی شہادت کے بعد مولانا عبداللہ کے دوسرے پوتے رحمت اللہ غازی منصب امارت پر فائز ہوئے۔

انیسویں صدی کے اختتام اور مولانا عبداللہ کے دور امارت میں برطانوی سامراج نے سرحد کے علاقے میں انقلابی مجاہدین کے ٹھکانوں کو ختم کرنے کے لئے ان علاقوں میں فوجی چوکیاں قائم کرنے اور پکی سڑکیں بنا کر ذرائع نقل و حرکت آسان بنانے کے لئے ایک منصوبہ پر عمل شروع کیا مگر بعد ازاں ہندوستان کے بدلتے ہوئے حالات کے سبب اپنے اس منصوبہ پر عمل نہ کرسکے۔

تحریک ریشمی رومال:

ریشمی رومال کی عظیم تحریک ہندوستان میں برطانوی استعمار کے خلاف آزادی کی ایک انقلابی تحریک اور سرحد میں انگریزوں کے خلاف تقریباً ایک صدی سے لڑی جانے والی جنگ (جس کا آغاز حضرت سید احمد شہیدؒ نے کیا تھا) کے سلسلہ ہی کی ایک اہم کڑی تھی۔

جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے، آزادی کی جدوجہد سے متعلق بعض اہم اور ضروری معلومات دیگر انقلابیوں تک پہنچانے کے لئے یہ ریشمی کپڑے کے تین مختلف سائز کے ٹکڑوں پر تحریر کی گئی تھیں۔

برصغیر پاک و ہند کے سرفروش، حریت پسند دل نے ملک کو برطانوی عفریت سے نجات دلانے کے لئے اپنے تن۔ من۔ دھن کی بازی لگادی خاک اور خون میں تڑپنے اور پیچھے بعض ایسے انمٹ داستانیں چھوڑ گئے جن کے نقوش صفحۂ تاریخ پر ہمیشہ کے لئے کندہ ہوکرہ گئے ہیں۔

ہندوستان کے عوام، مسلمانوں اور خصوصاً علماء کرام نے اس تحریک میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور آزادی کے لئے اپنا سب کچھ قربان کردینے والوں کی رہنمائی کا کام سرانجام دیا۔

یہ لوگ حضرت شاہ ولیؒ کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنا چاہتے تھے۔ اس مشن کی تکمیل کے لئے شاہ عبدالعزیزؒ، ان کے خاندان کے افراد، پیروکار اور رفقاء نے اپنے مقدس خون سے تحریک آزادی کی پھلواری کی آبیاری کی اور انہوں نے بلا تمیز شاہ ولی اللہ کے عظیم مشن کو آگے بڑھایا۔

حصول مقاصد کے لئے انہیں جن امتحانات اور مصائب سے گزرنا پڑا وہ تاریخ کی تلخ ترین مگر مبنی برحقائق صداقتیں ہیں جن سے قطعی چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔ چونکہ یہ جدوجہد برطانوی سامراج کے خلاف تھی اس لئے اسے "ریشمی رومال سازش" قرار دیا گیا۔

برطانوی سی۔ آئی۔ ڈی کی رپورٹوں کے مطابق ریشمی کپڑوں کے ٹکڑوں پر یہ خطوط مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے تحریر کئے تھے اس لئے انہیں اس سازش کا بانی (تحریک کا بانی) اور دیگر کارکنان کا معاون و شریک کار قرار دیا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ۱۹۱۵ء میں حضرت شیخ الہند محمود حسن دیوبندیؒ کے حکم پر تحریک اور منصوبہ کے تحت کابل کا سفر کیا۔ اس منصوبہ اور تحریک کے سربراہ (شیخ الہند) مولانا محمود حسنؒ تھے اس لئے انہیں کو تحریک کا بانی کہا جانا چاہیئے البتہ اس بات میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ ریشمی رومال میں جو معلومات، مشورے ہدایات اور تفصیلات نیز جنود ربانیہ اور حکومت موقتہ کے بارے میں جو منصوبہ تیار کیا گیا تھا اس کے خالق مولانا عبیداللہ سندھیؒ ہی تھے۔ اس وجہ سے انگریزوں کا مولانا سندھیؒ کو اس تحریک کا بانی قرار دینا غلط نہیں معلوم ہوتا۔

یہ خطوط زرد رنگ کے ریشمی کپڑے کے تین مختلف ٹکڑوں پر تحریر کئے گئے تھے۔

پہلا خط ۱۰ × ۸ انچ طول و عرض کا تھا۔ یہ خط ۹ جولائی ۱۹۱۶ء کو مولانا محمود حسن (شیخ الہند) کے نام تحریر کیا گیا تھا۔

دوسرا خط شیخ عبدالرحیم سندھیؒ کے نام لکھا گیا تھا جو ۶ × ۵ انچ کے طول و عرض پر محیط تھا۔ یہ خط پہلے خط کے ایک دن بعد ۱۰ جولائی ۱۹۱۶ء کو لکھا گیا تھا۔ آپ سندھ کے مشہور عامل خاندان کے ایک فرد تھے۔ حیدرآباد (سندھ) کے محلہ گاڑی احاطہ میں رہتے تھے۔ آپ کے والد کا نام بھگوان داس تھا۔ ہندوستان کے مشہور سیاسی رہنما کے بی اچاریہ کرپلانی آپ کے

چھوٹے بھائی تھے۔

شیخ عبدالرحیم اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے۔ دین کی تبلیغ و اشاعت کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ کی محنت کے سبب سندھ کے بہت سے با اثر ہندوؤں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

آپ نے ملک کی آزادی کی جد و جہد میں مردانہ وار حصہ لیا۔ تحریک ریشمی رومال کے سرگرم اور اہم رکن تھے۔ آزادی کی جدوجہد میں بے پناہ قربانیاں دیں۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انگریزوں نے انہیں ریشمی رومال سازش (تحریک) کا ایک اہم رکن اور ہندوستان، حجاز اور کابل میں موجود سازشیوں (حریت پسندوں) کے مابین رابطے کا کام انجام دینے والا قرار دیا۔

جنود ربانیہ میں انہیں کرنل کا عہدہ حاصل تھا۔ تحریک کے افشا کے بعد جن انقلابیوں کی گرفتاری کا حکم ہوا تو ان میں ایک نام آپ کا تھا۔ گرفتاری سے بچنے کے لئے آپ روپوش ہو گئے۔

سی۔ آئی۔ ڈی کو ان کے بارے میں اسقدر بھی علم نہ ہو سکا کہ آپ ملک کے اندر ہیں یا کابل جا چکے ہیں۔

اس سلسلہ کا تیسرا خط ۱۰×۱۵ انچ طول و عرض کا تھا۔ یہ خط بھی مولانا محمود حسن (شیخ الہند) کے نام تحریر کیا گیا تھا۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ریشمی رومال پر تینوں تحریریں مولانا عبیداللہ سندھی کی ہیں۔ اگرچہ ایسا نہیں ہے۔ یہ غلط فہمی اس سبب ہوئی کہ ایک خط پر کسی کے دستخط موجود نہیں تھے۔ جبکہ باقی دونوں رومالوں پر مولانا سندھی کے دستخط موجود ہونے کی وجہ سے تیسرا خط بھی ان سے موسوم کیا گیا۔

دراصل ایک خط مولانا محمد میاں کا تحریر کردہ تھا۔ خط کا ایک ایک لفظ اور جملہ اس حقیقت کا غماز ہے۔ مولانا محمد میاں جب حجاز سے غالب نامہ اور دوسری تجویزیں لیکر ہندوستان آرہے تھے تو مولانا شیخ الہند نے انہیں جدہ میں الوداع کہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مکتوب نگار نے جدہ کے بعد کے واقعات خط میں رقم کئے ہیں۔ مکتوب نگار نے جدہ کے بعد کا حال اس طرح لکھا ہے۔ "بمبئی بہ آرام و بے خطر پہنچے"۔

بعد ازاں مکتوب نگار

مولانا حسرت موہانی، مولانا ابوالکلام آزاد سے اپنی ملاقات اور یاغستان و کابل کے سفر وغیرہ کا تذکرہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں مولانا ناظم یعنی عبیداللہ سندھی کا ذکر صیغہ واحد میں کیا ہے، اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس خط کے لکھنے والے مولانا سندھی کے بجائے اور کوئی ہے اور یہ شخصیت صرف مولانا محمد میاں عرف محمد منصور انصاری کی ہو سکتی ہے۔

تحریک ریشمی رومال کے بانی

مولانا عبیداللہ سندھی، جنہیں سی آئی ڈی نے تحریک ریشمی رومال کا بانی قرار دیا ہے، وہ اس تحریک کے گنتی کے چند سر کردہ دماغوں میں سے ایک تھے، اس لئے انہیں اس تحریک کا بانی کہنا مناسب ہے۔

خود مولانا عبیداللہ سندھی نے اپنی ذاتی ڈائری میں فرمایا، جس کے چند فقرے یہاں نقل کئے جاتے ہیں:

حضرت شیخ الہند نے ۱۳۲۷ھ، ۱۹۰۹ء میں مجھے دیوبند طلب فرمایا اور مفصل حالات سن کر دیوبند میں رہ کر کام کرنے کا حکم دیا۔ چار سال تک جمعیۃ الانصار میں کام کرتا رہا۔ اس تحریک کی تاسیس میں مولانا محمد صادق صاحب سندھی اور مولانا ابو محمد صاحب لاہوری اور عزیزی مولوی احمد علی میرے ساتھ شریک تھے۔ حضرت شیخ الہند کے ارشاد سے میرا کام دیوبند سے دہلی منتقل ہوا۔

۱۳۳۱ھ، ۱۹۱۴ء میں "نظارۃ المعارف" قائم ہوئی۔ اس کے سرپرستوں میں حضرت شیخ الہند کے ساتھ حکیم اجمل خان اور نواب وقار الملک ایک ہی طرح شریک تھے۔

حضرت شیخ الہند نے جس طرح چار سال دیوبند میں رہ کر میرا تعارف اپنی جماعت سے کرایا تھا، اسی طرح دہلی بھیج کر مجھے نوجوان طاقت سے ملانا چاہتے تھے۔ اس غرض کی تکمیل کے لئے دہلی تشریف لائے اور ڈاکٹر انصاری صاحب سے میرا تعارف کرایا۔ ڈاکٹر انصاری نے مجھے مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد علی مرحوم سے ملایا۔ اس طرح تخمیناً دو سال مسلمانان ہند کی اعلیٰ سیاست سے واقف رہا۔

۱۹۱۵ء میں شیخ الہند کے حکم سے کابل گیا۔ مجھے کوئی مفصل پروگرام نہیں بتایا گیا اس لئے میری طبیعت ہجرت کو پسند نہ کرتی تھی مگر تعمیل حکم کے لئے جانا ضروری تھا۔ خدا نے اپنے فضل سے نکلنے کا راستہ صاف کر دیا۔ دہلی کی سیاسی جماعت کو میں نے بتایا کہ میرا کابل جانا طے ہو چکا ہے۔ انہوں نے مجھے اپنا نمائندہ بنا دیا مگر کوئی معقول پروگرام وہ بھی نہیں بتا سکے۔

کابل جا کر مجھے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہند جس جماعت کے نمائندہ تھے اس کی پچاس سال کی محنت کا حاصل میرے سامنے غیر منظم شکل میں تعمیل حکم کے لئے تیار ہے اس کو میرے جیسے ایک خادم شیخ الہند کی اشد ضرورت تھی۔ اب مجھے اس ہجرت اور شیخ الہند کے انتخاب پر فخر محسوس ہونے لگا۔

مولانا عبیداللہ سندھی کے ان بیانات سے واضح ہو جاتا ہے کہ تحریک ریشمی رومال کے بانی وہ نہیں تھے بلکہ وہ اس تحریک کے سرگرم

کارکن تھے بعینہٖ شیخ الہند محمود حسنؒ بھی ہندوستان میں اس تحریک کے نمائندے اور سرکردہ تھے۔

دراصل اس تحریک کی بنیاد علما صادق پور نے جو شیخ الہندؒ کے مرشد و شیخ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی و حضرت رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے مریدوں میں تھے، مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی کابل روانگی سے پچاس سال قبل تقریباً ۱۸۶۵ء میں رکھی تھی۔

مولانا غلام رسول مہر اپنی کتاب سرگزشت مجاہدین کے صفحہ ۵۵۲ پر رقم طراز ہیں:

"میرے مطالعہ اور غور و فکر کا نچوڑ یہ ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ اپنی عملی زندگی کے آغاز میں جو ایک نقشۂ عمل تیار کر چکے تھے اور اسے لباس پہنانے کی کوشش انہوں نے اس وقت شروع کر دی تھی جب ہندوستان کے اندر سیاسی سرگرمیاں محض برائے نام تھیں۔

ملک کے حالات کسی تیز تحریک کے لئے ہرگز سازگار نہ تھے، مسلمانوں پر حیرانی اور افسردگی طاری تھی۔ وہ ثریا سے تحت الثریٰ میں جا گرے تھے اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اپنی کھوئی ہوئی حیثیت حاصل کرنے کے لئے کونسا راستہ اختیار کریں اور کس طریقہ عمل پر گامزن ہوں۔ ایسے اصحاب بہت کم نظر آتے تھے جن کے خلوص پر اعتماد کیا جا سکے اور جو پیش نظر مقاصد کے لئے بے تکلف ہر قسم کی قربانیوں پر آمادہ ہوں۔ پھر حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے ایک بڑی مصلحت یہ بھی تھی کہ دارالعلوم دیوبند کو حکومت کے عتاب کا ہدف بننے سے حتی الامکان محفوظ رکھیں۔"

تحریک کے مقاصد

مولانا محمود حسن شیخ الہندؒ کی تحریک ریشمی رومال آزادی کے حصول اور برطانوی سامراج سے نجات حاصل کرنے کے لئے کوئی نئی جد و جہد نہ تھی بلکہ ملوکیت، شہنشاہیت اور برطانوی امپیریلزم کے خلاف لڑی جانے والی جنگ کی ایک اہم کڑی تھی۔

اس سے پہلے کی سطور میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے حوالے سے تحریر کیا جا چکا ہے کہ انہیں کابل جا کر معلوم ہوا کہ شیخ الہندؒ جس جماعت کے نمائندے تھے اس کی پچاس سال کی محنتوں کا حاصل ان کے سامنے غیر منظم شکل میں تعمیلِ حکم کے لئے تیار ہے اور اسے شیخ الہندؒ کے الہ جیسے ایک خادم کی اشد ضرورت ہے۔

بلاشبہ مولانا محمود الحسنؒ نے مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو شاہ ولی اللہؒ کی تحریک کے دوسرے اور تیسرے دَور کو منظم اور منضبط کرنے کے لئے کابل روانہ کیا تھا۔ مناسب ہو گا کہ اس موقع پر شاہ ولی اللہؒ کے نظریات کے تحت قائم کئے جانے والے ایک نئے نظام اور معاشرہ کی تشکیل کے دوسرے مرحلے پر علماء صادق پور نے جو کردار ادا کیا تھا اسے مختصراً بیان کر دیا جائے۔

مولانا سید نصیر الدین دہلویؒ کے انتقال کے بعد جماعت مجاہدین ایک مرتبہ پھر انتشار اور اضمحلال کا شکار ہو گئی مگر جلد ہی ان حریت پسندوں کی رہنمائی کے لئے سینوں میں شوق شہادت لئے ہوئے علماء صادق پور آگے بڑھے۔

علماء صادق پور نے اپنا دائرہ عمل شمال مغربی علاقے ہی تک محدود نہ رکھا بلکہ وہ پشاور اور درہ خیبر سے لے کر بہار اور بنگال تک پھیل گئے۔ انہوں نے پہلی مرتبہ ۷ شوال ۱۲۶۲ھ مطابق ۹ اکتوبر ۱۸۴۶ء کو بالاکوٹ کے مقام پر نئی قیادت کے ذریعے آزادی کے متوالوں کی رہنمائی کا کام سر انجام دیا۔

علماء صادق پور میں مولانا ولایت علیؒ چونسٹھ سال کی عمر میں ۱۸۵۲ء کو وفات پا گئے۔ انہیں ستھانہ میں دفن کیا گیا۔

مولانا ولایت علیؒ کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے اور جانشین مولانا عنایت علی بھی کرم چھ سال بعد ۱۸۵۸ء میں بعارضہ بخار انتقال کر گئے۔ بعد ازاں صرف چار سال کے مختصر عرصہ میں ان کے دو جانشین مولانا نور اللہؒ اور میر مقصود علیؒ اس جہان فانی سے کوچ کر گئے مگر اس کے باوجود جماعت مجاہدین بڑی شان اور عزم سے علم جہاد بلند کئے رہے۔ مجاہدین کی اس جماعت کا تذکرہ ڈاکٹر ولیم ولسن ہنٹر جس افسوس اور حسرت کے ساتھ کرتا ہے وہ حسب ذیل ہے:

"میں ان بے غیرتوں کے حملوں اور قتل و غارت کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا جو ۱۸۵۶ء میں سرحدی جنگ کا باعث ہوئے۔ اس دوران مذہبی دیوانوں نے سرحدی قبائل کو انگریزی حکومت کے خلاف متواتر اکسائے رکھا۔ ایک ہی بات سے حالات کا بڑی حد تک اندازہ ہو جائیگا یعنی ۱۸۵۰ء سے ۱۸۵۷ء ہم علیحدہ علیحدہ سولہ جنگی مہمیں بھیجنے پر مجبور ہوئے جن سے باقاعدہ فوج کی تعداد پینتیس ہزار ہو گئی تھی اور ۱۸۵۶ء سے ۱۸۶۰ء تک ان فوجی مہموں کی گنتی بیس تک پہنچ گئی تھی اور باقاعدہ فوج کی تعداد ساٹھ ہزار تک ہو گئی تھی۔ بے قاعدہ فوج اور پولیس اس کے علاوہ تھی۔ بہر حال جب ہم نے اس مہلک گھاٹی کو چھوڑا تو اس کے چپے چپے پر برطانوی سپاہیوں کی قبریں موجود تھیں۔"

میر مقصود علی کے انتقال کے بعد مولانا عبد اللہ صادق پوری فرزند اکبر مولانا ولایت علیؒ کو جماعت مجاہدین کی کمان سنبھالنا پڑی۔ آپ نے تقریباً چالیس سال تک انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کئے رکھا۔ آپ کے دور امارت میں انگریزی فوج کے جوانوں کو بار بار خاک و خون کے میدان سے گزرنا پڑا۔

مولانا عبد اللہ صادق پوری سے خط و کتابت روابط کے جرم میں ہزاروں محبان وطن کو گرفتار کر کے دریائے شور بھیج دیا گیا۔ عرصہ دراز تک شمالی ہند میں خانہ تلاشیوں اور گرفتاریوں کا

حافظ ارشاد احمد دیوبندی

بانی دارالعلوم دیوبند

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

سابقہ قسط میں حضرت عارف باللہ بانی دارالعلوم دیوبند نوراللہ مرقدہٗ سے متعلق تبرکاً احقر نے آپؒ کے عظیم الشان ' عدیم النظیر کارناموں کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے۔ جن حضرات کو تاریخ سے تھوڑا سا بھی لگاؤ ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء میں حالات نے کیا رُخ اختیار کیا اور پھر ۵۷ء کے بعد تو کفر تمام حجابوں اور مصلحتوں کو توڑ کر الم نشرح ہو گیا۔ مستند روایات کے مطابق اس دور میں تیرہ ہزار علماء حق کو سامراجیوں نے تختۂ دار پر لٹکا کر اپنے طاغوتی اقتدار کو بظاہر مضبوط کر دیا۔ ایسے خطرناک حالات میں جبکہ مسلمانوں کی آزمائش کا دور تھا پھر ایک بار کسی محمد بن قاسم کی ضرورت تھی جو اپنے ایمان کے جوہر دکھانے کے لئے میدان میں آئے تاکہ اس کی روحانی قوت سے اہل اسلام اپنی قدیمی روایات زندہ رکھ سکیں۔ جبکہ ایک طرف برصغیر پر سامراج نے سلطنت مغلیہ کو ظلم کے پہاڑ توڑ کر منہ دبا لاکر رکھا تھا اور دوسری طرف بقول امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ اسوقت انسان کا یہ حال تھا کہ وہ دنیا کے ذرہ ذرہ کو خدا سمجھتا۔ جنگل کا ہر بڑا درخت اس کا خدا تھا۔ زمین کا ہر خوفناک کیڑا اس کا خدا تھا۔ پہاڑ کا ہر سیاہ پتھر اس کا خدا تھا۔ وہ سانپ کو پوجتا تھا۔ وہ دریا کو پوجتا تھا کہ دریا دیوی ہے۔ وہ پہاڑ کو پوجتا تھا کہ وہ دیوتاؤں کا مسکن تھا۔ وہ آگ کو پوجتا تھا کہ وہ حکمران عالم تھی۔ وہ چاند اور سورج کو پوجتا تھا کہ وہ نور اکبر تھے۔ وہ حیوانوں تک کو پوجتا تھا کہ ان کی نظر میں وہ اوتار تھے۔ ایسے برے وقت میں جبکہ انگریز کی حکمرانی اور معاشرہ کی بداعتقادی نے سچے مسلمانوں کی پریشانیوں میں اضافہ کیا تو بانی دارالعلوم دیوبند حضرت قاسم العلوم قدس سرہٗ کو قدرت نے اخلاقی، اسلامی اور روحانی قوتوں سے پوری طرح لیس کر کے مسلمانوں کی راہنمائی و رہبری کے لئے ایک معمولی قصبہ "دیوبند" میں مرکز اسلام قائم کرنے کے لئے دستگیری فرمائی۔ پھر دنیا نے دیکھ لیا کہ اس مرکز اسلام سے کیسی اولوالعزم اور تاریخ ساز ہستیاں یکے بعد دیگرے اسلامی جوہر دکھانے کے لئے قدرت کے اس کارخانہ میں پیدا ہوئیں۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت الشیخ نانوتویؒ کی ولادت باسعادت حضرت سید احمد شہید فی سبیل اللہؒ کی شہادت کے روز ہوئی یعنی حضرت امام شہید مرحوم کے جانشین کے طور پر حضرت الشیخ نانوتوی مرحوم نے جنم لے کر سنبھالی۔ حضرت شیخ الاسلام السید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ نقش حیات میں لکھتے ہیں کہ:

"علوم معارف کی وہ گہرائی جو مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی کتابوں میں نظر آتی ہے شاہ ولی اللہؒ کے علمی اعتراف کے باوجود کہتا ہوں کہ ان کی کتابوں میں موجود نہیں۔"

(اللہ اکبر) سر سید احمد ہمیشہ ہی مسلک میں مختلف رہے مگر حضرت مرحوم کے متعلق ان کی رائے یہ ہے کہ:

"امام غزالیؒ کے بعد اسلام میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے سے بڑا فلسفی آج تک نہیں گزرا۔"

اسی طرح متعدد مشاہیر کی آراء میں حضرت ممدوحؒ کے علو مرتبہ اور علمی شان کا اعتراف موجود ہے۔ حضرت آغا شورش کاشمیریؒ بانی ادارہ "چٹان" لاہور نے آپ کو منظوم ہدیہ عقیدت پیش کرتے ہوئے حجۃ الاسلام کے عنوان سے لکھا ہے ؎

شافع کون مکان کی راہ پر لاتا رہا
گمرہان شرک کو توحید سکھلاتا رہا
پرچم اسلام ابر درخشاں کے روپ میں
بتکدوں کی چار دیواری پہ لہراتا رہا
ہمرہان دل گرفتہ کو یہ اعلان جہاد
تیغ جوہر دار کا آئینہ دکھلاتا رہا
اس کے سینے میں خدا کا آخری پیغام تھا

اسی مرد مومن نے خود ایام طالب علمی میں علوم نبویہ "مبشرات" میں سے ایک خواب دیکھا تھا کہ "میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور مجھ سے نکل کر ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں۔ والد مرحوم سے ذکر کیا انہوں نے فرمایا تم سے علم دین کا فیض بکثرت جاری ہوگا۔ نیز طبیعت میں جود و کرم اور سخاوت اتنی تھی کہ شاید کسی سخی بادشاہ میں بھی اس کی مثال نہ مل سکے۔ اس لئے آپؒ نے لڑکپن ہی میں ایک اور خواب بھی دیکھا تھا۔ اس کی تعبیر بھی یہی تھی۔

یوں دیکھا کہ میں مرگیا ہوں اور لوگ مجھے دفن کر آئے۔ تب قبر میں حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور کچھ نگینے سامنے رکھے اور کہا یہ اعمال تمہارے ہیں۔ ان میں ایک نگینہ بہت خوشنما اور کلاں ہے' اُس کو فرمایا کہ یہ عمل حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا ہے:

(سوانح قاسمی از مولانا محمد یعقوبؒ)

سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے دیوانے اور عاشق کہ مشہور روایت کے مطابق جب ۱۸۵۷ء میں آپ نے انگریز سامراج کے خلاف اعلانِ جہاد کرتے ہوئے زوردار لفظوں میں فرمایا کہ:

میری خواہش ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا ہر تعلیم یافتہ انگریز کے محل میں شگاف کرے اور اس مدرسہ کا ہر فیض یافتہ سامراج کے لئے زہر قاتل بنے۔ انگریز کے خلاف بغاوت کے جرم میں خواہ دارالعلوم دیوبند کی اینٹ سے اینٹ بج جائے مگر انشاء اللہ تعالیٰ جنگ ہر حالت جاری رہے گی۔"

آپ کے وارنٹ جاری ہوئے۔ چند مخلصین اور متعلقین نے آپؒ کو مشورہ دیا کہ آپ چھپ جائیں، مگر آپؒ نے ان کے مشورہ کو ٹھکراتے ہوئے فرمایا کہ:

"مجھے شرم آتی ہے کہ حضور علیہ السلام غارِ حرا میں تین روز چھپے ہوئے اور میں ان سے ایک ساعت بھی زیادہ روپوش رہوں۔"

اندازہ فرمائیے کہ تین روز بھی اس لئے چھپے کہ اس سنت پر بھی عمل ہو جائے۔ (سبحان اللہ)

اتباعِ سنت کے اس حریصِ اعظمؒ کے متعلق خاندان قاسمی کے معزز و محترم چشم و چراغ حضرت علامہ قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں۔ حضرت نانوتویؒ نے زندگی میں جو کام انجام دیئے تھے وہ تو بہت زیادہ ہیں لیکن بنیادی طور پر تین بڑے بڑے کام انجام دیئے:

پہلا کام دارالعلوم دیوبند کا قیام ہے یہ اتنا عظیم کام ہے کہ پوری دنیا پر اس نے اثر ڈالا ہے۔

دوسرا کام یہ ہے کہ حضرت نانوتویؒ خلافت اسلامیہ کی تائید میں ہمہ وقت منہمک رہے۔

اور تیسری چیز یہ انجام دی کہ دیوبند اور نواح دیوبند نکاح بیوگان کو انتہا درجے کا عیب سمجھا جاتا تھا اور یہ چیز ہندوؤں سے آئی تھی۔ اگر کسی نے نام بھی لیا تو تلواریں نکل آتی تھیں۔ حضرتؒ نے لطیف پیرائے میں اس کی تحریک شروع کی۔ جب اندرونی طور پر خواص کو اپنا ہم خیال بنا لیا تو اس کے بعد جلسۂ عام کیا۔ ہمارے یہاں دیوان دروازہ جو ہے وہ نواب لطیف اللہ خانؒ کا محل ہے' جو اورنگ زیبؒ کے وزیر خارجہ تھے اور دیوبند میں عثمانیوں کے مورثِ اعلیٰ تھے' اس میں حضرتؒ نے وعظ فرمایا۔ بہت بڑا مجمع تھا۔ درمیان میں ایک شخص اٹھا اور کہا کہ حضرت مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ فراست سے سمجھ گئے کہ کیا کہتا ہے۔ جواب میں فرمایا کہ ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں، ایک ضرورت پیش آگئی ہے۔

لوگوں نے سمجھا کہ استنجا وغیرہ کی ضرورت پیش آئی ہوگی۔ حضرتؒ گھر میں گئے۔ حضرتؒ کی بڑی بہن بیوہ تھیں اور ۹۵ برس کی عمر میں۔ نہ نکاح کے قابل نہ کچھ۔ مگر اعتراض کرنے والے کو اس کی کیا ضرورت تھی، وہ تو یہ کہتا ہے کہ آپ دنیا کو نصیحت کرتے ہیں مگر آپ کی بہن تو بیٹھی ہے۔ گھر میں گئے تو بڑی بہن کے پیروں پر ہاتھ رکھا۔ انہوں نے گھبرا کر کہا کہ

"بھائی! تم تو عالم ہو' یہ کیا کر رہے ہو؟"

فرمایا: "بہر حال میں آپ کا چھوٹا بھائی ہوں۔ آج ایک سنت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) زندہ ہوتی ہے۔ اگر آپ ہمت کریں تو آپ پر موقوف ہے۔"

فرمایا کہ میں ناکارہ اور سنت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا احیا؟ میری وجہ سے۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ نکاح کر لیجیئے!

فرمایا کہ بھتیجی تم میری حالت دیکھ رہے ہو۔ منہ میں دانت نہیں، کمر جھک گئی ہے۔ ۹۵ برس میری عمر ہے۔

حضرت نے فرمایا: میں یہ سب جانتا ہوں' مگر اعتراض کرنے والے اس کو نہیں دیکھتے۔

بہن نے فرمایا: اگر سنت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میری وجہ سے زندہ ہو تو میں جان قربان کرنے کو بھی تیار ہوں۔

ان کے دیور کی بیوی کا انتقال ہوا تھا' اور ان کے خاندان کے وہاں پر ۱۴-۱۵ آدمی موجود تھے۔ ان ہی کے سامنے نکاح پڑھا گیا۔ گواہ بنا دیئے گئے۔ اس میں کچھ دیر ہو گئی۔ پھر حضرت نانوتویؒ باہر آئے اور مجمع میں دوبارہ تقریر شروع کی۔ پھر وہی سائل کھڑا ہوا کہ کچھ عرض کرنا ہے۔

فرمایا: کہئیے!!

اس نے کہا: آپ دنیا کو نصیحت کر رہے ہیں اور آپ کی بہن بیوہ بیٹھی ہے' تو ہم پر آپؒ کی تقریر کا کیا اثر ہوگا؟

فرمایا: کون کہتا ہے' ان کے نکاح کے تو گواہ بھی شاید یہاں موجود ہوں گے۔ دو تین آدمی کھڑے ہوئے اور کہا کہ ہمارے سامنے نکاح ہوا ہے۔ اصلاح معاشرت اور رسومات مٹانے کے سا[illegible] حضرت نے خود اپنے گھر سے قربانی پیش کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسی مجلس میں ستر اسی بیوگان کے نکاح پڑھے گئے۔ پھر سنت الٰہی [illegible] کھلی کہ ہزاروں بیواؤں کا نکاح ہو گیا۔

(بحوالہ انٹرویو جو مولانا سمیع الحق صاحب نے قلم بند کیا)۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ اتباعِ سنت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کتنا ذوقِ سلیم آپ رکھتے تھے۔ مگر اسلام کے بدترین دشمن انگریز سامراج نے اس مرکز اسلام مدرسہ عالیہ دارالعلوم دیوبند سے عملی طور پر اپنی جڑیں کھوکھلی ہوتی دیکھیں تو اس مرکز اسلام کے خلاف اپنے سب حربے استعمال کرنے شروع کئے جن میں ایک خطرناک قسم کا حربہ یہ بھی شامل تھا کہ علماء دیوبند کثر ہم اللہ تعالے پر آقائے دوجہاں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گستاخ اور بے ادب ہونے کا سو فیصد غلط اور بے بنیاد الزام لگوایا گیا اور بہت سے حضرات اس کا شکار بھی ہوئے مگر حاشا وکلا واللہ باللہ تاللہ یہ بالکل غلط الزام ہے۔

علماء دیوبند حضرت محبوبِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام
کے سچے عاشق اور شیدائی ہیں۔ جن لوگوں
کو ان قدسیہ نفوس حضرات کی خدمت کا موقع
ملا ہے اور انہوں نے قریب ہو کر دیکھا ہے
ان پر حقیقت حال اظہر من الشمس ہے بقول کسے

صبا یہ جا کے کہیو مرے سلام کے بعد
کہ تیرے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

روایت ہے کہ جب دارالعلوم دیوبند
کی دار الحدیث کی تعمیر کے لئے جناب سید یوسف علی
صاحب مرحوم اپنے وطن ٹونک میں چندہ جمع کر
رہے تھے تو انہیں خواب میں حضرت رسول کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا کہ
"تم نے کتنا چندہ جمع کیا ہے؟"

سید صاحب ممدوح مرحوم نے باادب
عرض کیا کہ "حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں نے باسٹھ
روپے جمع کئے ہیں"۔

نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ ترکی کے سلطان المعظم
نے دارالعلوم دیوبند کو ایک رومال عنایت فرمایا
تھا جس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ
مبارک ایک سال تک لپٹا ہوا رکھا رہا ہے۔
یہ رومال نہایت ادب و احترام کے ساتھ
دارالعلوم دیوبند کے خزانے میں رکھا گیا اور اب
تک بھی وہ موجود ہے اور اب تک اس
کی زیارت کرائی جاتی ہے اور بزرگانِ دیوبند
نے اپنی زندگیوں کے اکثر اوقات مدینہ منورہ
ہجرت کر کے گزارے ہیں۔ حضرت نانوتویؒ
جب حج کو تشریف لے گئے تو دیار حبیب
صلی اللہ علیہ وسلم میں جوتا پہن کر چلنا گوارہ نہ
کیا۔ آپؒ کے شریکِ سفر جناب حکیم منصور علی
خانؒ کا قول ہے کہ جب مدینہ منورہ کے قریب
ہمارا قافلہ پہنچا جہاں سے روضہ پاک صاحب لولاک
نظر آگیا تو فوراً حضرت مرحوم نے اپنے جوتے
اتار کر بغل میں لئے اور بار برہنہ چلنا شروع
کیا اور کئی میل تک آپ شب تاریک میں
پا برہنہ چلتے ہوئے بارگاہ روضۂ مقدس
پر حاضری دی اور حضرت شیخ مولانا مدنی مرحوم
کی روایت کے مطابق حضرت نانوتویؒ چند
منزل سواری کو خیرباد کہہ کر پیدل مدینہ منورہ
کا سفر کیا، حالانکہ سواری کے لئے اونٹ خالی
موجود رہا۔ اس لئے پاؤں میں زخم پڑ گئے تھے
کانٹے لگتے تھے اور پتھروں نے تو پاؤں کو
غیر معمولی طور پر زخمی کر دیا تھا مگر اس سچے عاشق
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لطف آ رہا تھا۔ نیز
کسی نے آپؒ کو سبز رنگ کا جوتا ہدیتاً پیش کیا
تو آپؒ نے فوراً واپس کر دیا اور فرمایا کہ میرے
آقا علیہ السلام کے روضہ مبارک کا رنگ سبز
ہے اس لئے میں سبز رنگ کا جوتا پاؤں میں
پہننے کو بے ادبی سمجھتا ہوں (سبحان اللہ)۔

آپ جب حج کے سفر کے لئے ضلع انبالہ
کے ایک باکمال بزرگ حضرت راؤ عبداللہ شاہؒ
کو ملنے کے لئے تشریف لے گئے تو ان کی
خدمت میں عرض کیا کہ حضرت میرے لئے دعا فرمائیے
اس پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا:

"بھائی میں تمہارے لئے کیا دعا
کروں، میں نے تو اپنی آنکھوں سے
دیکھا ہے کہ آپ دونوں جہانوں کے
بادشاہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے سامنے زانوئے ادب تہہ کر کے
بخاری شریف پڑھ رہے ہیں۔"

ع یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

حضرت نانوتویؒ میں عشق رسالت مآب
صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ہمہ گیر اثر تھا اس کا اظہار
آپؒ کی کتابوں خصوصاً تحذیر الناس، قبلہ نما،
اور اجوبہ اربعین سے واضح ہوتا ہے نیز قصائد
قاسمی کا اکثر حصہ بھی حضرت علیہ السلام کی
تعریف و توصیف پر مشتمل ہے۔ اس میں آپ
کی طویل نظم جو اکثر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں
میں جرائد و رسائل میں بھی ملتی ہے۔ یہ قصیدہ
ایک سو اکاون اشعار پر مشتمل ہے ہم بھی تبرکاً
تھوڑا سا حصہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

الٰہی کس سے بیاں ہو سکے ثنا اس کی
کہ جس پہ ایسا تری ذات خاص کا ہو پیار
جو تو اسے نہ بناتا تو سارے عالم کو
نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار
جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں
ترے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار
لگاتا ہاتھ نہ پتلے کو ابوالبشر کے خدا
اگر ظہور نہ ہوتا تمہارا آخر کار
امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید یہ ہے
کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شمار
جیئوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مور و مار
جو یہ نصیب نہ ہو اور کہاں نصیب میرے
کہ میں ہوں اور سگانِ حرم کے تیرے قطار
لگے وہ تیر غم عشق کا میرے دل میں
ہزار پارہ ہو دل خون دل میں ہوں سرشار
اڑا کے باد میری مشت خاک کو پس مرگ
کرے حضورؐ کے روضہ کے آس پاس نثار
تمہارے عشق میں رو رو کے ہوں نحیف اتنا
کہ آنکھیں چشمہ آب و دروں غبار
ولے یہ رتبہ کہاں مشتِ خاک قاسم کا
کہ جائے کوچۂ اطہر میں تیرے بن کے غبار

یہ تھا اس طویل قصیدہ کے صرف
گیارہ اشعار ہیں۔ اس کے علاوہ ۱۴۰
اشعار اور ہیں جو کہ ایک سے دوسرا بڑھ کر
ہے جس کے پڑھنے سے ہر سچے عاشق رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کو عجیب قسم کا ایک لطف
محسوس ہوتا ہے۔ نیز اس قصیدہ کی برکت
سے یہ راز بھی مضمر ہے کہ قصیدوں کو مربوط
یا غیر مربوط جس طرح بھی پڑھا جائے اسی
طرح معلوم ہوتا ہے۔ صرف ان چند اشعار
کو ملاحظہ کیجئے اور عقیدت قاسمی کو بھی ذرہ
بھر کے لئے خیرباد کہہ کر خالی الذہن ہو کر
غور و فکر کیجئے کہ حضرت قاسمؒ نے کس قدر
خلوص و محبت اور عقیدت سے اپنے عشق نبوی
(صلی اللہ علیہ وسلم) کا اظہار فرمایا ہے۔ نیز
حضرتؒ نے ایک منظوم شجرہ طریقت میں
عجیب و غریب انداز میں اللہ تعالیٰ کے حضور
حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش
کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

بحق آں کہ او جان جہاں است
فدائے روضہ اش ہفت آسمان است
بحق آنکہ محبوبش گرفتی
برائے خویش مطلوبش گرفتی

یہ بھی ایک طویل نظم ہے جس میں حضرت
نبی کریم علیہ السلام سے آپ کے عشق نبوی کی
معراج معلوم ہوتی ہے۔ اس سیہ کار احقر راقم
عفاء اللہ عنہ کو یقین ہے کہ کم از کم برصغیر میں
ایسا عاشق صادق کئی صدیوں سے پیدا نہیں ہوا
البتہ ہر فرزند دارالعلوم کو یہ شرف حاصل ہے کہ
کہ وہ اپنے اس روحانی باپ حضرت قاسم العلوم
سے عشق نبوی کا جذبۂ صادق ورثہ میں رکھتے ہیں
اس لئے جب بھی حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم
کی ذات مقدس کو کسی شقی ازلی نے چھیڑا
تو دارالعلوم کا ہر خادم سیسہ پلائی ہوئی دیوار
بن کر سامنے آگیا اور موت وغیرہ سے بے فکر
ہو کر میدان میں ڈٹ گیا۔ مضمون کی طوالت
کے باعث ہم اس کی چند عملی مثالیں اگلے ہفتہ
کی ملاقات میں پیش کریں گے۔

حضرت نانوتوی اگرچہ بظاہر علماء کی
وضع قطع نہیں رکھتے تھے، نہ عمامہ نہ کرتا اور
نہ ہی جبہ وغیرہ مگر علم کے ایسے دریا تھے
جس کا کوئی کنارہ نہ ہو بروایت حضرت حکیم الاسلام
مدظلہ العالی کہ علوم و معارف میں بھی حضرت
کا بالکل مجددانہ انداز ہے۔ حضرت کی جو تصانیف
ہیں، مولانا شبیر احمد عثمانی کی نگاہ بہت تھی
تصانیف پر اور آپ یہ جملہ فرمایا کرتے تھے
کہ سو برس تک فلسفہ کتنا ہی روپ بدل کر آئے
لیکن حضرت کی حکمت اس کی قلعی کھولنے کے لئے
کافی ہوگی سو برس تک (آپ کے فیوض و علوم
کی برکت سے "راقم") کوئی اسلام کا مقابلہ
اور اسلام پر حملہ حجت سے نہیں کر سکتا۔ اتنی
حجتیں جمع فرما دیں۔ تو گویا ایک نئے علم کلام
کی بنیاد ڈال دی جس سے اسلامی حقائق اور
دقائق بڑے واضح ہوتے ہیں اور مولانا
حسین احمد مدنی فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنی
نظر کے لحاظ سے کہتا ہوں کہ سلف میں بھی
بہت کم لوگ ملیں گے جنہوں نے اس قسم کی
حکمت اسلام میں جمع کی ہو۔ یہ حضرت ہی
کا حصہ ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ
حضرت کی ہر چیز بیچ کی نہ تھی بلکہ آخری کنارے
لگی ہوتی تھی۔ علم کے بارے میں مجھے (قاری
محمد طیب صاحب کو) ایک بات اور یاد آئی کہ
مولانا محمد یعقوب صاحب کشف و کرامت والے
بزرگوں میں سے تھے اور ان کے ہاں اخفاء
تھا ہی نہیں۔ جو واردات ہوئی صبح طالبعلموں
کے سامنے پیش کر دیتے کہ آج رات کو یہ
کشف ہوا، یہ الہام ہوا، یہ عادت تھی تو ایک
دن فرمایا کہ بھائی آج صبح کی نماز پڑھنے کھڑا
ہوا تو بال بال بچ گیا میرے مرنے میں کوئی کسر
نہیں تھی۔

طلبہ نے عرض کیا کہ حضرت کیا پیش آئی؟
فرمایا کہ قرآن کریم کے علم کا ایک اتنا
بڑا دریا میرے قلب کے اوپر گزرا اور غنیمت
یہ ہے کہ وہ گذرتے ہی نکل گیا ورنہ میں
تحمل نہیں کر سکتا تھا۔

اس کے بعد خود فرمایا کہ میں مراقب
ہوا کہ یہ کیا چیز تھی؟ تو منکشف ہوا کہ میرے
بھائی حضرت نانوتوی میرٹھ میں میری طرف
متوجہ ہوئے۔ ان کی توجہ کا یہ اثر کہ علم کا
ایک عظیم دریا میرے قلب پر گذرا۔ اور اس
کے بعد خود فرمایا کہ:

"جس شخص کی توجہ کا
اتنا اثر ہے کہ اتنا بڑا علم گزر
جائے کہ برداشت نہ ہو سکے
تو وہ شخص اتنا بڑا علم کس
طرح اٹھائے پھر رہا ہے"

جن لوگوں کو حضرت مولانا محمد یعقوب
صاحب رحمۃ اللہ کے علم و کمال کا حال معلوم
ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ واقعہ بیان کرنے والا
خود کتنا وسیع علم کا مالک ہے۔

نہ جانے وہ کیسے لوگ ہیں جو ایسے
بزرگوں کو لفظ **وھابی** کہہ کر
آگے کیا کیا الزامات ان سے منسوب کرتے
رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت
نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چلنے کی
توفیق عطا فرمائے۔ (باقی)

سلسلہ جاری رہا اور یکے بعد دیگرے حریت پسندوں
پر بغاوت و سازش کے الزامات کے تحت
مقدمات چلائے گئے۔

علماء صادق پور نے حضرت شاہ ولی اللہ
کے مشن کی تکمیل کے لئے لاکھوں روپے کی
منقولہ و غیر منقولہ جائیداد کو راہ جہاد میں داؤ
پر لگا دیا۔ ٹھاٹ باٹ اور عیش و عشرت کی زندگی
کے بجائے افلاس، فقر و فاقہ اور جفاکشانہ
طرز زندگی کو فوقیت بخشی۔ بعض اوقات درختوں
کے پتے، کونپلیں اور پودوں کی جڑوں کو غذا
کے طور پر استعمال کیا اور خود کو اپنے وطن
عظیم آباد عرف پٹنہ سے سینکڑوں میل دور علاقہ
شمال مغربی سرحد کے علاقہ میں ایک عظیم مقصد
کے حصول کے لئے قربان کر دیا۔

اس قربان گاہ تک پہنچنے کے لئے حریت پسندوں
نے غیر معمولی نظم و ضبط کا مظاہرہ کیا اور ہزاروں
کی تعداد میں بنگالی بطل حریت دو ہزار میل سے
زائد مسافت طے کر کے شمال مغربی سرحد کی
قربان گاہ تک پہنچے اور داد شجاعت دیتے
ہوئے اپنی جانوں سے گذر گئے۔ (باقی

بقیہ: جرائم کی رفتار

پوچھئے کہ ان کی رات کی نیندیں اور دن کا چین
کیسے چھن گیا۔ یہ صرف ایک عیدو ریڑھی والے
کا مسئلہ نہیں، ہزاروں لاکھوں خاندانوں بلکہ
پورے ملک میں بسنے والے امن پسند اور
شریف شہریوں کا مسئلہ ہے۔ اس سے
چشم پوشی، غفلت اور تساہل ملک کے
خرمن امن کے لئے چنگاری ثابت ہو سکتی
ہے اور مجرمین کی حوصلہ افزائی کا سبب بن
سکتا ہے۔

ہم ایک بار پھر دردمندانہ گذارش ارباب
اختیار کی خدمت میں کریں گے کہ وہ حالات
کی نزاکت کو محسوس کریں اور ہر مجرم کو اس
کے جرم کی نوعیت کے مطابق قانون شریعت
کی روشنی میں سزا دیں۔ اس کے سوا کوئی
چارۂ کار نہیں۔ خدارا چند ماہ کے لئے
بطور تجربہ ہی ایسا کر کے دیکھ لیجئے۔ پھر
دیکھئے مطلوبہ نتائج حاصل ہوتے ہیں یا نہیں۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی

یہ دین زندہ ہے اور زندوں سے قائم رہیگا

یہ تقریر مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی میں ۱۳ جولائی ۱۹۷۸ء کو طلباء کے سامنے کی گئی، جس میں دارالعلوم کے اساتذہ، طلباء، اراکینِ انتظامیہ کے علاوہ ملک کے مختلف علاقوں کے علماء اور تعلیمیافتہ حضرات نیز بیرونِ ملک کے ان مندوبین کی بھی معتدبہ تعداد شریک تھی جو اسلامی ایشیائی کانفرنس میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے۔

عزیز طلبہ اور حاضرین مجلس!
خطبۂ مسنونہ

دین کو زندہ اشخاص کی ضرورت ہے

اس دین کے لئے اللہ تعالٰی نے یہ اصول مقرر اور مقدر کر دیا ہے کہ اس کے لئے زندہ اشخاص برابر پیدا ہوتے رہیں گے۔ کوئی درخت اس وقت تک سرسبز و شاداب اور زندہ درخت نہیں سمجھا جاتا جب تک باثمر نہ ہو۔ اس میں نئی نئی پتیاں اور نئے نئے شگوفے نہ کھلتے رہتے ہوں۔ یہ دین زندہ ہے اور زندہ انسانوں کے لئے ہے اور اس کو زندہ اشخاص کی ضرورت ہے۔ وہ دین مٹ گئے، ختم ہو گئے، جنہوں نے روحانیت کے میدان میں، علم کے میدان میں، فکر کے میدان میں، قیادت کے میدان میں زندہ اشخاص پیدا کرنے بند کر دیئے۔ انسان زندہ اشخاص سے متاثر ہوتا ہے۔ چراغ سے چراغ جلتا رہا ہے اور چراغ سے چراغ جلنا چاہیئے اور جلتے رہنا چاہیئے۔ اور اگر اس امت کو باقی رہنا ہے تو اس امت کے لئے ضروری ہے کہ وہ زندہ اشخاص پیدا کرے۔ اس کا درخت علم، اس کا درخت فکر، اس کا درخت اصلاح اور اسکا درخت روحانیت نئے نئے برگ و بار لاتا رہے، نئے نئے شگوفے کھلاتا رہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ میری امت بارانِ رحمت کی طرح ہے، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کے ابتدائی قطرے مردہ زمین کے لئے زیادہ حیات بخش ہیں یا بعد کے۔

میں تاریخ لکھتا رہا ہوں، میرے شعور اور تصنیف و تالیف کی عمر زیادہ تر اسی کوچہ میں گزری اور میں کہہ سکتا ہوں

ع عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں

میں اب بھی اس پر عقیدہ رکھتا ہوں کہ اسلاف کے کارنامے، اسلاف کا خلوص و صداقت، اسلاف کا تعلق مع اللہ، اسلاف کی استقامت اور اسلاف کی قربانیوں بعد کی نسلوں کیلئے بہترین سرمایہ ہیں، اور وہ حیات و زندگی کا پیغام دینے والی ہیں۔ ہم نے ہمیشہ کہا اور مانا کہ ہمارے بزرگ ایسے تھے، ان کا حافظ اتنا قوی تھا ان کا علم اتنا وسیع تھا، وہ ایسے متبحر عالم تھے، یہ سب سر آنکھوں پر لیکن اتنا کافی نہیں۔

فیض مُردوں سے بھی حاصل ہو سکتا ہے مگر رہنمائی زندوں ہی سے حاصل ہوتی ہے

جس ادارے اور مکتب خیال سے میرا تعلق ہے اس نے تاریخ اسلام کو مرتب کیا، اس تحتی براعظم (ہند) میں جس ادارہ نے اردو میں تاریخ اسلام مرتب کرنے کی سب سے پہلے سعادت حاصل کی ہے اس سے میرا تعلق ہے یعنی "دارالعلوم ندوۃ العلماء" اور

دارالمصنفین" کسی اور کی زبان سے تو شاید آپ سوچیں کہ یہ تاریخ سے ناواقف ہے اور تاریخ سے انصاف نہیں کرتا، میری زبان سے سنیئے کہ اسلاف نے جو کچھ کیا اسکو محفوظ رہنا چاہیئے اور اسی آب وتاب کے ساتھ رہنا چاہیئے۔ لیکن اس دین کے لئے خدا فیصلہ کرچکا ہے کہ یہ دین قیامت تک کے لئے ہے، لہٰذا اس کو زندہ اشخاص کی ضرورت ہے، روحانیت بھی زندہ انسانوں ہی سے قائم ہے، محققین صوفیاء اور مشائخ کی تحقیق بھی یہی ہے کہ تزکیہ وعلم باطن بھی زندہ انسانوں ہی سے حاصل کیا جاتا ہے اور زندہ انسانوں ہی سے اس کی تکمیل ہوتی ہے' ورنہ ایسے ایسے بلند مرتبہ لوگ گذرے ہیں کہ ان میں سے ایک کافی تھا، لیکن وہ کہتے ہیں کہ زندگی میں حرکت و نمو ہے' زندگی میں تنوع ہے، ابھی ایک رنگ آیا ایک گیا، ابھی ایک مرض پیدا ہوا اور ایک مرض گیا، اس لئے جن کا تعلق اس زندہ کائنات اور عالم طبعی سے ٹوٹ چکا ہے وہ ان متحرک اور زندہ انسانوں کی رہنمائی نہیں کرسکتے۔ فیض ان سے حاصل ہوسکتا ہے (فیض کے جو طریقے ہیں ان کے ذریعے) اس میں غلط فہمی نہ ہو لیکن رہنمائی زندہ انسانوں ہی سے حاصل ہوتی ہے کسی نسل میں سب کچھ ہے۔ بڑے کتب خانے ہیں' تاریخ کے بڑے بڑے ذخیرے ہیں' لیکن زندہ ہستیاں نہیں ہیں۔ جن کے قلوب سے اور جن کے اجتہادِ فکر سے' جن کے تفقہ سے، جن کی بصیرت سے ہم روشنی حاصل کریں' اس نسل کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔

دین تازہ ہوتا رہے گا:

حدیث صحیح میں ہے کہ "ان اللہ یبعث علی راس کل مائة سنة من یجدد لھذہ الامة امر دینھا"، سنن کی حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر سو برس میں ایک مجدد بھیجتا رہے گا' جو اس دین کو تازہ کردے گا اور تجدید کا فرض انجام دے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس وقت تو وہ دین کو تازہ کردے گا، پھر وہ سلسلہ ختم ہوجائیگا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عرصہ تک اس کا وجود رہے گا۔ "من یجدد لھذہ الامة امر دینھا" کا یہ مطلب نہیں کہ وہ آئے اور ہفتہ دو ہفتہ کے لئے دین کا چرچا ہوگیا اور چلے گئے۔ ان میں سے کسی بھی بزرگ کا حال پڑھیں، کسی کا اثر سو برس تک رہا اور بعض ایسے لوگ پیدا ہوئے جن کا اثر صدیوں تک رہا۔

ریلوے لائن پر ایک چھوٹی گاڑی چلا کرتی تھی (اور غالباً اب بھی چلتی ہے) جس کو ٹرالی کہتے تھے۔ لوگ اس کو ٹھیلتے تھے اور پھر اس پر بیٹھ جاتے تھے اور وہ چلتی اور پھسلتی رہتی تھی، جب وہ رکنے لگتی تھی تو پھر اتر کر دھکا دیتے تھے اور بیٹھ جاتے تھے' اس سے لائن کا معاملہ ہوتا تھا، اس امت کی گاڑی کو بھی اسی طرح سمجھئے اور اس کو ٹھیلنے والے اس امت کے علماء اور مشائخ اور مجدد ہیں۔ یہ اس کو ٹھیل دیتے ہیں اور وہ خود اپنے پہیوں پر چلتی ہے۔ یہ نہیں کہ اس کو چلاتے ہی رہتے ہیں، گاڑی خود چلے گی اپنے پہیوں پر' لیکن اس کو ٹھیلنے اور چلانے کے لئے زندہ انسانوں کی ضرورت ہے۔ وہ کوئی ٹیکنیکل چیز نہیں' زندہ انسان اس کو بڑھاتے ہیں اور ٹھیلتے ہیں اور وہ اپنے پہیوں پر چلتی ہے کیونکہ ٹرالی کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ پٹڑوں میں اتنی چکناہٹ اور پہیوں میں اتنی حرکت و سرعت اور چلنے کی اتنی صلاحیت ہو کہ وہ چل سکے' اور آدمیوں کے ہاتھوں میں اتنی طاقت ہو کہ وہ اس کو ٹھیل سکیں۔ اور مسافر جو بیٹھتے ہوں وہ ایسے ہوں کہ بیٹھے رہیں اور جم جائیں۔ اس امت کی روایت یہ ہے کہ جب اس پر تعطل اور بے عملی طاری ہونے لگتی ہے تو کوئی اللہ کا بندہ آتا ہے اور اس کو دھکا لگاتا ہے اور پھر وہ خود چلتی ہے اور کچھ دور تک چلی جاتی ہے۔ میرے مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ دونوں کو اس دور کا مجدد سمجھتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جہاں کہیں بھی علم دین ہے جہاں کہیں بھی سنت کی دعوت ہے' جہاں کہیں بھی شرک و بدعت سے اجتناب کا جذبہ اور اس سے تنفر ہے' یہ ان دونوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ دیکھئے ایک ایسا بھی انسان تھا جس نے اسے زور سے دھکا دیا کہ امت کی گاڑی ساڑھے تین سو سال سے برابر چل رہی ہے اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کتنا چلے پھرے۔ کوئی اور اللہ کا بندہ پیدا ہو اور اس کے دھکے سے اور کتنا چلے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا پورا خاندان' حضرت مجدد الف ثانیؒ کے سو ڈیڑھ سو برس بعد پیدا ہوا' اور ان کے کام کے اثرات تیرھویں صدی کے ابتداء میں ظاہر ہوئے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ فریضہ ہے۔ تمام مدارس کا اور تمام علماء کا کہ زندہ اشخاص پیدا کرتے رہیں۔

پاکستان کی سب سے بڑی ضرورت:

کل میں نے دارالعلوم کورنگی میں ایک بات کہی تھی کہ پاکستان کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایسے علماء ملک میں رہیں کہ وہ نئے مسائل سمجھ سکیں اور نئے مسائل کے حل پیش کرسکیں، اور اس میں وہ شریعت کی مدد سے' کتاب وسنت کی مدد سے، اصول فقہ کی مدد سے رہنمائی کرسکیں' اس لئے جہاں اور چیزوں کی ضرورت ہے وہاں ایک بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایسے متبحر علماء پیدا ہوں جیسے مفتی محمد شفیع صاحبؒ' مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، مولانا محمد یوسف صاحبؒ بنوری اور دوسرے علماء جن کے نام اسوقت مجھے یاد نہیں آئے۔ پھر اس کے بعد میں نے کہا کہ زمانہ اتنا ترقی کرگیا ہے اور اب زمانہ کے فتنے اتنے سنگین اور زمانہ کے چیلنج اتنے شدید ہیں کہ حقیقتاً ضرورت تھی امام غزالی شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ

دہلوی کی، لیکن اگر حجۃ الاسلام غزالی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور کلیم الاسلام شاہ ولی اللہ اسوقت نہ پیدا ہوں تو کم از کم اس درجہ کے لوگ پیدا ہوں جن کے نام میں نے لئے۔ لہذا مدارس کا یہ فرض ہے کہ وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں کہ وہ متبحر پیدا ہو۔ وسعتِ نظر اور عمق اور نظر کی گہرائی یا گیرائی پیدا ہو، اور وہ کتاب وسنت کی روح سے واقفیت پیدا ہو، مقاصد شریعت سے آگاہی پیدا ہو کر بدلے ہوئے زمانہ میں امت کی رہنمائی کر سکیں، محض یہ کہ کتاب میں دیکھ لو' یہ کافی نہیں' اس لئے کتابیں تو اپنے اپنے عہد میں لکھی گئی ہیں۔ اللہ نے صرف کتاب اللہ کی یہ خصوصیت قرار دی ہے کہ لاتبلی جدتہ ولا تنتھی عجائبہ کہ وہ کبھی پرانی نہیں ہو گی، باقی ہر انسانی کتاب میں اس عہد کی چھاپ ہوتی ہے' اس عہد کے گھنے سائے ہوتے ہیں۔ آپ کسی عالم کی کتاب اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ اگر اللہ نے آپ کو ذوق اور علمی بصیرت دی ہے تو آپ اسے دیکھ کر زمانہ کا تعین کر سکتے ہیں کہ یہ کتاب فتنۂ تاتار سے پہلے لکھی گئی ہے یا فتنۂ تاتار کے بعد لکھی گئی ہو گی، یہ آٹھویں صدی کی تصنیف معلوم ہوتی ہے۔ ہر صدی کا اسلوب الگ ہوتا ہے، فکر اور علم کا طرز الگ ہوتا ہے، ان کے درجات الگ ہوتے ہیں۔ یہ مدارس بہت مبارک اور نہایت ضروری ہیں، ہم سب مدارس ہی کے خوانِ نعمت کے ریزہ چیں ہیں اور میں جو آپ کے سامنے بیٹھا ہوا بات کر رہا ہوں' یہ مدارس ہی کا فیض ہے' اول سے آخر تک۔ میری تعلیم اسی نہج پر ہوئی، لیکن میں کہنا چاہتا ہوں (اور خدا کرے کہ میری بات جتنی ہے اور جس درجہ کی ہے اسی کے مطابق سمجھی جائے) کہ یہ دین زندہ ہے اور زندہ انسانوں کی اس کو ضرورت ہے' اور زندہ انسانوں ہی کے دم سے یہ چلے گا، اسلاف کی عظمت میں رتی برابر کمی کرنا مقصود نہیں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس پر قناعت نہیں کرنی ہے کہ اسلاف نے یہ کیا کوئی مسئلہ پوچھنے آئے تو کہے کہ ہمارے یہاں ایک سے ایک بڑا عالم پیدا ہوا' آسمانِ علم، جبلِ علم، سائل کہتا ہے کہ کنوئیں میں فلاں جانور گر گیا ہے، تمام محلے والے پریشان ہیں کتنے ڈول پانی نکالا جائے آپ کہیں کہ ہمارے یہاں امام ابوحنیفہ پیدا ہوئے، امام زفر پیدا ہوئے اور آخر میں بدائع الصنائع کے مصنف البحرالرائق کے مصنف اور فتاوی عالمگیری کے مصنف پیدا ہوئے' وہ کہے گا حضرت یہ سب صحیح ہے، لیکن جلدی بتلایئے نماز کا وقت بالکل قریب ہے کہ اس کو کس طرح پاک کیا جائے؟ کوئی آپ سے یہ پوچھنے آئے کہ ذرا سی یہ عبارت سمجھ میں نہیں آئی، یہ شعر سمجھ نہیں آیا اس کے معنی بتایئے؟ آپ کہیں کہ ہمارے یہاں ایسے ایسے ادیب پیدا ہوئے اور قاضی فاضل پیدا ہوئے اور ہندوستان میں بھی ایک سے ایک بڑھ کر ہوئے ہیں۔ وہ کہے گا یہ سب ٹھیک ہے لیکن میں کتاب پڑھانے جا رہا ہوں، طالب علم منتظر ہیں، جلدی سے شعر کا مطلب بتایئے، اسی طرح ہر فن کا حال ہے، جس فن کا آدمی آئے تو کہدیا کہ ہمارے یہاں ایسے ایسے لوگ پیدا ہوئے ہیں' اس سے کام نہیں چلے گا۔

ہر شہر میں متبحر آدمی ہونے چاہئیں:

ہر ملک میں بلکہ ہر شہر میں متبحر آدمی ہونے چاہئیں جو وقت پر مدد کر سکیں، رہنمائی کر سکیں۔ یہ نہ کر سکیں تو کم از کم کسی عالم کا حوالہ دے سکیں۔ میں خود یہ کرتا رہتا ہوں۔ کوئی اہم مسئلہ پوچھنے آتا ہے تو میں کہہ دیتا ہوں کہ ہمارے مدرسہ میں مفتی موجود ہیں' ان سے پوچھو "لکل فن رجالہ" ہر فن کا شخص الگ الگ ہے' وہ فقہ پڑھاتے ہیں۔ علامہ ابن حزم کے متعلق امام ابن تیمیہ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ انہوں نے سعی میں رمل واضطباغ کو لکھ دیا ہے' وہ بہت ادب کے ساتھ کہتے ہیں کہ ان کو حج کرنے کا موقع نہیں ملا تو ان کو طواف اور سعی میں التباس ہو گیا۔ یہ بات الگ ہے لیکن ہر چیز میں آپ اسلاف کے کارناموں کی فہرست گنانے لگیں کہ کیسے کیسے آدمی پیدا ہوئے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص پیاسا ہو اور پانی پینے آئے اور کہے کہ پانی پلا دیجئے، تو آپ اس سے کہیں کہ دنیا میں ایسی ایسی سبیلیں لگی ہیں اور ایسی ایسی آئس کریمیں ایجاد ہوئی ہیں، ایسے ایسے مشروبات ایجاد ہوئے ہیں۔ تو بھائی مشروبات کے نام لینے سے اور اس میں جو ترقیاں اسلاف نے کیں' اس سے کیا ہوتا ہے' اس کو تو پانی چاہیئے، چاہے آپ کوڑہ میں دیں یا مٹی کے کوزہ میں دیں' جب جا کر اس کی پیاس بجھے گی۔

خلاء پُر کرنے کیلئے جانفشانیوں کی ضرورت ہے:

علوم کا زوال بلکہ امتوں کا زوال اسی طرح ہوا کہ جب کوئی گیا تو کوئی دوسرا اس کی جگہ لینے والا نہیں۔ آج خطرہ اسی بات کا ہے۔ جو اٹھتا ہے جگہ خالی کر کے چلا جاتا ہے۔ آپ سے کیا کہوں' یہ کہنے کی بات نہیں۔ ہندوستان میں ہم کیا خلاء محسوس کر رہے ہیں۔ کسی مدرسہ میں شیخ الحدیث کی ضرورت ہے شیخ الحدیث نہیں مل رہا، کہیں اصول فقہ پڑھانے والا نہیں مل رہا۔ کچھ اللہ کے بندے یہاں آگئے اور کچھ اللہ میاں کے یہاں چلے گئے۔ ایک انتقال کیا تو دوسرا منتقل ہو گیا۔ ہمارے حق میں نتیجہ ایک ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ خلا پُر ہونا چاہیئے اور اس کے لئے جانفشانیوں کی ضرورت ہے۔ یہ کام بغیر جانفشانیوں کے

نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ حدیث کا جید عالم پیدا ہو، فقہ کا جید عالم پیدا ہو، پتّا پانی کرنے کی ضرورت ہے اور افسوس ہے کہ اب ہمارے مدارس میں اس کا رواج نہیں رہا، سب کچھ ہے لیکن وہ محنت نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مبالغہ سہی، غلو سہی مگر کسی درجہ میں انہماک ہونا چاہیئے۔ یورپ میں جو ترقیاں ہوئی ہیں اسی لائن سے ان میں بھی استغراق ہے۔ میں نے واقعات سُنے ہیں کہ بعض تحقیقی کام کرنے والوں کو اس کی خبر نہیں ہوئی کہ کب صبح ہوئی۔ میرے جاننے والے ایک دوست جرمنی گئے تھے۔ انہوں نے کہا ایک صاحب سے پوچھا کہ آپ کب کام شروع کرتے ہیں، آپ کا یہ ادارہ کب سے کھلتا ہے؟ تو اس نے کہا ابھی بتاتا ہوں۔ وہ اندر گیا اور ایک آدمی سے پوچھا کہ میرا شعبہ کب سے کھلتا ہے اس نے بتایا' اتنے بجے' تو آکر کہہ دیا' اتنے بجے سے'، میں نے کہا کہ کیوں آپ نے خود کیوں نہیں بتایا تو اس نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں، میں اتنی صبح آجاتا ہوں کہ مجھے ہوش نہیں رہتا اور میں گھڑی بھی نہیں دیکھتا' کام کا جوش اتنا غالب ہوتا ہے۔

یہ انتشار کا دور ہے' آج کل تو بڑی مصیبت یہ ہے کہ آپ یہاں سے جائیے پچاس چیزیں آپ کو ایسی نظر آئیں گی جو انتشار پیدا کرنے والی ہوں گی۔ آپ ایسے حالات دیکھیں گے جو انتشار پیدا کرنے والے ہوں گے۔ آپ ایسی تصویریں دیکھیں گے جو ساری ذہنی یکسوئی ختم کر دیں گی اور اگر ٹیلیویژن ہو رہا ہے تو سبحان اللہ' یا انا للہ کہہ دیجئے۔ اس زمانے کی خوبی یہ تھی کہ انتشار پیدا کرنے والی چیزیں کم تھیں اور لوگوں میں علمی استغراق تھا۔ میرے ایک مغربی استاد نے بتایا کہ ایک صاحب مغرب (مراکش) میں فقہ مالکی پر کتاب لکھ رہے تھے ان کا روزانہ کا یہ معمول تھا کہ دوپہر کو وہ گھر جاتے تھے اور کھانا کھاتے تھے اور آجاتے تھے۔ ایک دن وہ گھر نہیں گئے تو لوگوں نے کہا کہ آج آپ کھانے پر تشریف نہیں لائے؟ انہوں نے کہا نہیں میں تو آیا تھا! میں نے کھانا بھی کھایا۔ اب ان کو فکر ہوئی کہ کیا بات ہوئی، معلوم ہوا کہ مسئلہ سوچتے ہوئے نکلے اور ایک گھر کا دروازہ کھلا تھا اس میں چلے گئے اور وہ لوگ اتنے متقشف اور مہذب تھے کہ انہوں نے کھانا کھلایا اور ان کو بالکل محسوس نہیں ہونے دیا کہ ان کا گھر نہیں ہے۔ اس زمانے میں علماء کی قدر تھی' ان کو شاید یہ معلوم تھا کہ وہ اسوقت نکلتے ہیں اور کھانا کھاتے ہیں۔ گھر والوں نے دسترخوان بچھایا، ہاتھ دُھلائے انہوں نے کھانا کھلایا۔ ہاتھ پونچھے اور اپنی جگہ آگئے اور یہ سمجھتے رہے کہ وہ اپنے گھر گئے تھے اور کھانا کھایا تھا۔

ایک واقعہ امام غزالیؒ نے غالباً احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ ایک مرتبہ امام احمد بن حنبلؒ کے گھر آئے۔ امام صاحب کے بچے کہتے ہیں کہ ہم دیکھتے تھے کہ ہمارے والد ہر نماز کے بعد امام شافعیؒ کے لئے دعا کرتے تھے اور کہتے تھے" اے اللہ! محمد بن ادریس کو زندہ رکھ' قائم رکھ' ان کی عمر میں برکت دے"۔ وہ بچے سوچتے تھے کہ ہمارے باپ امام وقت ہیں' ان کے استاد کیسے ہوں گے جن کے لئے یہ دُعا کرتے ہیں؟ تو ایک مرتبہ پوچھا کہ ابا جان! آپ کس لئے دعا کرتے ہیں اور کیوں؟ انہوں نے کہا" یا بنی انه کالشمس للدنیا والعافیة للبدن"۔ ایک مرتبہ لطیفہ یہ پیش آیا کہ امام شافعیؒ تشریف لے آئے تو گھر والوں نے سمجھا کہ گھر بیٹھے دولت ملی' بڑی خاطر مدارات کی اور رات کو جب وہ کھانا کھاکے اور باتیں کرکے بستر پر لیٹے تو بچوں نے سوچا کہ والد صاحب بڑا وقت عبادت میں گزارتے ہیں، یہ تو ہمارے والد کے بھی استاد ہیں، ان کی تو پلک بھی نہیں لگے گی۔ رات بھر عبادت کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے لوٹا بھر کر رکھ دیا کہ رات کو اٹھیں گے، وضو کریں گے، عبادت میں مشغول ہو جائیں گے لیکن وہ صبح تک سوتے رہے یہاں تک کہ امام احمد بن حنبلؒ آئے اور انہوں نے اٹھایا۔ وہ اٹھے اور بے وضو کئے ہی نماز پڑھنے چلے گئے۔ اب تو ان کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی کہ یا اللہ غضب ہو گیا ہے؟ لوٹا دیکھا تو ویسا کا ویسا بھرا رکھا ہے۔ بڑی حیرت کہ انہوں نے بے وضو نماز پڑھی؟ اس زمانے میں اعتراض کرنے کا رواج نہیں تھا۔ جب وہ مجلس میں آ کر بیٹھے تو امام احمد بن حنبلؒ سے امام شافعیؒ نے کہا:

ابو عبداللہ! رات کو عجیب واقعہ پیش آیا۔ جب تم مجھے لٹا کر گئے تو فلاں حدیث کی طرف میرا ذہن چلا گیا۔ میں نے اس سے مسائل استنباط کرنے شروع کئے۔ رات بھر مسائل استنباط کرتا رہا۔ مسائل کی ایک بڑی تعداد بیان کرکے فرمایا کہ اتنے مسائل استنباط کرچکا تھا کہ صبح ہو گئی۔

اسی لئے شاعر نے کہا ہے ؎

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر شیر

اگر بد گمانی کا دور ہوتا تو اخبار میں چھاپ دیا جاتا کہ ایسے ایسے علماء ہیں جو بے وضو نماز پڑھ لیتے ہیں' بلکہ پڑھا بھی دیتے ہیں۔ (تعجب نہیں کہ انہوں نے نماز پڑھائی بھی ہو، بھلا ان کی موجودگی میں کون نماز پڑھاتا)۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس خلاء کو پُر فرمائے۔

خط وکتابت کرتے وقت
تاریخ لکھنا مت بھولیں

قومی ملکیت میں خیانت اور مجرمانہ کردار ادا کرنیوالوں کو سنگین سزائیں دلوائی جائیں

مولانا تاج محمود کی پریس کانفرنس

۱۹۷۲ء میں مارشل لاء ضابطہ ۱۱۸ کے تحت تمام پرائیوٹ تعلیمی اداروں کو قومی ملکیت میں لے کر سرکاری تحویل میں لے لیا گیا تھا۔ ان پرائیویٹ تعلیمی اداروں کے ملازمین کو تحفظ مہیا کیا گیا اور اس سلسلہ کی ہر بدعنوانی کو مارشل لاء کے تحت جرم قرار دیا گیا تھا۔

ربوہ کے تعلیمی ادارے تعلیم الاسلام کالج، ڈگری کالج نصرت الاسلام گرلز کالج تعلیم الاسلام ہائی سکول وغیرہ بھی جو قبل ازیں انجمن احمدیہ کے زیر اہتمام چل رہے تھے، قومی تحویل میں لے لئے گئے۔

ربوہ کے تعلیمی اداروں کے اساتذہ اور ملازمین نے سابقہ انجمن سے ملی بھگت کر کے صرف عمارات قبضہ میں لیں اور تعلیمی اداروں سے متعلقہ ۱۰۹ ایکڑ ۶ کنال ۱۰ مرلہ سکنی اور زرعی رقبہ سابقہ انجمن کے قبضہ ہی میں رہنے دیا۔

نہ صرف یہ بلکہ نیشنلائزیشن کے وقت املاک اور اشیاء کی جو فہرستیں تیار کی گئی تھیں، وہ بھی ان تعلیمی اداروں اور دوسرے متعلقہ دفاتر سے مبینہ طور پر غائب ہو گئیں۔

اس سال کے آغاز میں یہ سکینڈل ہمارے نوٹس میں آیا تو راقم الحروف نے پبلک مفاد کی خاطر پٹواری حلقہ ربوہ سے سرکاری ریکارڈ کی فرد حاصل کی، جس سے تصدیق ہوئی کہ واقعتاً یہ رقبہ محکمہ تعلیم اور ربوہ کے تعلیمی اداروں کا مقبوضہ تھا۔ لیکن نہ معلوم وجوہات کی بناء پر نہ تو اس کا انتقال محکمہ تعلیم اور کالج کے نام درج کیا گیا ہے اور نہ ہی یہ رقبہ جات تعلیمی اداروں کے قبضہ میں ہیں بلکہ سابقہ انجمن ان پر قابض ہے اور اس وسیع زرعی رقبہ سے یہ جانتے ہوئے کہ یہ رقبہ جات تعلیمی اداروں کے ہیں، ہر فصل پر ہزاروں روپیہ کا فائدہ اٹھا رہی ہے۔

راقم الحروف نے یہ فرد پٹوار لف کر کے ایک درخواست مورخہ ۹-۳-۷۹ ڈپٹی ڈائریکٹر محکمہ تعلیم سرگودھا ڈویژن کی خدمت میں پیش کیں اور ان سے پبلک مفاد کی خاطر گذارش کی کہ اس معاملے کی پوری تحقیقات کرائیں اور یہ کروڑوں روپے کی جائیداد سابقہ انجمن سے واپس لیں اور گذشتہ سات سال میں اس کی جو پیداوار اس نے ناجائز طور پر حاصل کی ہیں وہ بھی واپس لیں۔

جب کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا تو راقم الحروف نے ۱۴-۱۰-۷۹ کے لولاک فیصل آباد میں ایک ادارتی نوٹ "ربوہ میں یہ اندھیر گردی کیوں" تحریر کیا اور اس کے کٹنگ ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سرگودھا۔ کمشنر سرگودھا اور ڈپٹی کمشنر صاحب جھنگ کو ارسال کر دیئے۔ اس ادارتی نوٹ میں بھی اس سکینڈل کا انکشاف کیا گیا تھا اور قومی مفاد میں کاروائی کرنے کی درخواست کی گئی تھی۔

ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سرگودھا کی جانب سے راقم کو چٹھی موصول ہوئی کہ سب مارشل لاء جھنگ کے سپرد یہ معاملہ کیا گیا تھا لیکن ان کا جواب موصول ہوا کہ معاملہ ڈپٹی کمشنر جھنگ کے زیر سماعت ہے۔ اس لئے اس کا انتظار کیا جائے۔

انہی دنوں راقم الحروف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر پنجاب لیفٹیننٹ جنرل محمد سوار خاں صاحب سے ملا اور انہیں اس سلسلہ کے تمام حقائق پر مشتمل ایک تحریری عرضداشت معہ فرد پٹواری، نقشہ جات اور ضروری دستاویزی شواہد پیش کی اور ان سے اس مسئلہ کو مبنی بر انصاف طریقہ سے حل کرنے کی درخواست کی تاکہ قومی ضیاع کا تحفظ ہو اور تعلیمی اداروں کا جو نقصان روا رکھا گیا ہے اس کا انسداد ہو۔

اُدھر نئے پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ربوہ ملک محمد بخش صاحب نے تحقیقاتی افسر کے سامنے ایسے دستاویزی ثبوت پیش کر دیئے جن سے ثابت ہو گیا کہ یہ تمام رقبہ جات تعلیمی اداروں کی ملکیت ہیں۔

میں جنرل محمد سوار خاں مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر پنجاب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس قومی ضیاع کے تحفظ میں موثر کاروائی کرنے کے احکامات صادر کئے اور اب یہ تقریباً ساڑھے چار مربعہ زرعی اور سکنی رقبہ جات جو ایک محتاط اندازے کے مطابق ساڑھے تین کروڑ روپے کی پراپرٹی ہے انجمن احمدیہ سے لے کر تعلیم الاسلام کالج ربوہ کی ملکیت اور قبضہ میں دے دی گئی ہے۔

اس سلسلہ میں مارشل لاء اور سول انتظامیہ سے درج ذیل درخواست ہے:

۱۔ سات سال تک ۱۰۹ ایکڑ، ۶ کنال ۱۰ مرلہ کی کروڑوں روپے کی جائیداد سابقہ انجمن نے یہ جانتے ہوئے کہ یہ رقبہ جات سرکاری گرانٹس اور کالج کے اپنے ذرائع سے خریدی ہوئی تھی کیوں قبضہ میں رکھی۔ متعلقہ کاغذات دفاتر سے کس نے ضائع کئے اور مارشل لاء کے واضح احکامات کی خلاف ورزی کیوں کی گئی اور اس ریکارڈ سرکاری میں ردوبدل کے لئے سرکاری حکام کو دھوکہ

محمد اکبر شاہ بخاری

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ آسمان شریعت اسلامیہ کے درخشندہ آفتاب تھے۔ آپ ایک بہت بڑے محدث جلیل القدر مفسر، عظیم المرتبہ متکلم، رفیع الشان فقیہ، بہترین مقرر، اعلےٰ درجے کے انشاپرداز اور بلند پایہ سیاست داں تھے۔ آپؒ کی ذات گرامی علم و عمل کا سرچشمہ تھی، اور آپ کی تمام زندگی خدمت اسلام، خدمت مسلمین اور خدمت ملک و ملت میں گذری۔ آپؒ کے قلم اور زبان سے شریعت کے اسرار آشکار ہوئے، اور آپ کے کردار نے مسلمانوں میں زندگی کی روح دوڑا دی۔ مجاہد اسلام حضرت مولٰنا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالےٰ بعض لوگوں کو ایسے وقت دنیا میں بھیجتا ہے جب امت میں کوئی خلل واقع ہوجاتا ہے، تو میں سمجھتا ہوں کہ شیخ الاسلام حضرت العلامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ان ہی لوگوں میں سے تھے۔ حضرت علامہ مرحوم کو اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے علماء زمانؑ محقق دوراں اور دنیائے اسلام کا درخشندہ آفتاب بنایا تھا۔ ان کی بے مثل ذکاوت، بے مثل تقریر، عجیب و غریب حافظہ، عجیب و غریب تبحر کمالات علمیہ ایسے نمایاں اوصاف ہیں کہ کوئی شخص منصف مزاج انکار نہیں کرسکتا۔"
(ماخوذ تجلیات عثمانیؒ)

مورخ اسلام حضرت علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں:

"علامہ عثمانیؒ اپنے وقت کے زبردست متکلم، نہایت خوش تقریر مقرر، محدث و مفسر اور محقق تھے۔ حلقۂ علماء میں ایسا قادر الکلام مقرر اور ایسا بلیغ البیان خطیب شاذ و نادر ہی تک میسر نہ ہوا ہوگا۔ جب آپ تقریر کے لئے کھڑے ہوتے تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ علم و کمال کا سمندر موجیں مار رہا ہے اور علم و عرفان کی سوتیں رہ رہ کر ابل رہی ہیں۔ وہ تحریر و تقریر میں اپنے وقت کے امام تھے۔"

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی مرحوم فرماتے ہیں کہ:

"مولانا عثمانیؒ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم، پاکباز محدث، بہترین مفسر اور خوش بیان مقرر تھے۔ ان کی تقریر کے ایک ایک لفظ میں علم و عرفان کا سمندر موجزن تھا۔" اور

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ

"جماعت علماء دیوبند میں حضرت علامہ عثمانیؒ نہ صرف ایک بہترین عالم ہی تھے بلکہ ایک صاحب الرائے مفکر بھی تھے۔ آپ کا فہم و فراست اور رفعت نفس بے نظیر تھا۔ آپ اُس علمی ذوق کے امین تھے جو اکابر دارالعلوم سے بطور وراثت آپ کو ملا تھا۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ بانی دارالعلوم دیوبند کے مخصوص علوم پر آپ کی گہری نظر تھی، اور درسوں میں آپ ان علوم کی بہترین تفہیم کے ساتھ تقریر فرماتے تھے۔ علوم میں نظر نہایت گہری اور عمیق تھی۔ علمی لائنوں میں آپ کا درس و تدریس اور مختلف مدارس عربیہ مدرسہ فتحپوری دہلی، دارالعلوم دیوبند اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے ہزاروں طلباء یکے بعد دیگرے افادہ ایک امتیازی شان رکھتا تھا۔ تصنیفی لائنوں میں آپ کی متعدد تصانیف اور قرآن حکیم کی تفسیر بصورت فوائد اور مسلم شریف کی عربی شرح یادگار زمانہ رہیں گی، جو پوری دنیائے اسلام میں نہایت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی گئی ہے۔ سیاسی لائنوں میں آپ نے تقسیم ملک سے پہلے اپنی مدبرانہ سیاسی قابلیت سے ریاست حیدرآباد کو ایسے وقت میں بعض مہلک مذہبی فتنوں سے بچانے کی سعی جمیل فرمائی جب کہ اس کے معاملات بہت زیادہ خطرے میں تھے۔ آزادی وطن کی حقیقت سے لاکھوں باشندوں کو آگاہ کیا، اور آزادیٔ ملک کی جدوجہد میں آپ نے کافی حصہ لیا، اور آپ کی فصیح و بلیغ تقریروں سے لاکھوں باشندگان وطن آزادیٔ وطن کی حقیقت سے آگاہ ہوئے۔

تقسیم ملک کے بعد آپ نے پاکستان کو اپنا مستقل وطن بنالیا اور کراچی میں مقیم رہ کر پاکستان کی بہت سی دینی و سیاسی اور ملی خدمات انجام دیں۔ پاکستان کے ارباب حکومت پر آپ کی

علمی اور سیاسی خدمات کا خاص اثر تھا۔ اور یہ بات کہ گورنمنٹ کے بانی کمانڈر میں آپ کی عالمانہ اور مفکرانہ حیثیت سے خاص عظمت حاصل تھی۔ آپ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے رکن اور مذہبی قانونی کمیٹی کے صدر تھے۔ بلاشبہ حکومت پاکستان نے آپ کے ساتھ حیات اور ممات کا جو معاملہ کیا؟ ایک قدر شناس حکومت کو اپنے مخلص خیر خواہ اور ملک کے ایک ممتاز عالم دین کے ساتھ یہی کرنا چاہیئے تھا۔

(انوار عثمانی)

شیخ الاسلام علامہ عثمانی ۱۰ محرم ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۵ء کو پردۂ عدم سے ظہور میں آئے۔ آپ کی ولادت ضلع بجنور میں ہوئی جہاں ان دنوں حضرت علامہ کے والد محترم مولانا فضل الرحمٰن عثمانی سرکاری مدارس کے ڈپٹی انسپکٹر تھے۔ مولانا فضل الرحمٰن عثمانی دہلی کالج کے تعلیمیافتہ تھے۔ بڑے فاضل اور اردو فارسی کے بہترین ادیب اور شاعر تھے، اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بنائے دارالعلوم دیوبند میں رفیق اور معاون تھے اور ممتاز علماء میں شمار ہوتے تھے۔

حضرت علامہ عثمانیؒ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، اور ان کے صحیح علمی و سیاسی جانشین تھے۔ ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں دیوبند سے فارغ ہوئے اور دورۂ حدیث میں تمام طلباء سے فرسٹ آئے۔ ۱۱ ذی قعدہ ۱۳۲۳ھ میں آپ کی شادی ہوئی۔ لیکن آخر وقت تک اولاد سے قطعی محروم رہے۔ آپ دارالعلوم دیوبند میں اعلیٰ درجے کے اساتذہ میں سے تھے لیکن ساری زندگی فی سبیل اللہ پڑھاتے رہے۔ متوسط کتابوں سے لے کر مسلم شریف اور بخاری شریف تک کی تعلیم دی۔ تمام علوم معقولہ اور منقولہ، منطق و فلسفہ، ریاضی، فقہ و حدیث اور تفسیر میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ عہد طالب علمی ہی میں جو کتاب پڑھتے دوسرے ہمدرسوں کو پڑھاتے۔ طلباء کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ جاتے۔ مدت تک دارالعلوم دیوبند میں خدمت درس و تدریس کے بعد مدرسہ فتحپوری دہلی میں صدر مدرس بن کر تشریف لے گئے۔ ۱۳۳۸ھ میں آپ نے فریضۂ حج ادا کیا۔ اور ۱۳۴۴ھ میں شاہ حجاز کی دعوت پر جمعیت علماء ہند کی طرف سے نمائندہ بن کر گئے اور وہاں عربی میں زبردست تقریریں کیں اور شاہ سعود اور دوسرے علماء ممالک سے علمی و فقہی مکالمے اور مباحثے کئے۔ ۱۳۴۸ھ میں آپ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت میں تشریف لے گئے اور وہاں تفسیر و حدیث پڑھاتے رہے۔

۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں پرنسپل اور صدر مہتمم کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے جہاں آپ نے دارالعلوم کی ترقی میں نمایاں کوشش فرمائی اور ہزاروں تشنگان علوم آپ کے چشمۂ فیض سے سیراب و شاداب ہوئے جن میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیعؒ دیوبندی، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ، مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ مولانا اطہر علی سلہٹیؒ، مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا قاری محمد طیب قاسمی اور مولانا سعید احمد اکبرآبادی جیسے مشاہیر علماء آپ کے تلامذہ میں شامل ہیں۔

درس و تدریس اور دارالعلوم کے اہتمام کے علاوہ آپ نے متعدد تصانیف بھی اپنے قلم فیض رقم سے تالیف فرمائی ہیں، جن میں قرآن کریم کی تفسیر اور مسلم شریف کی شرح فتح الملہم زبردست علمی شاہکار ہیں۔ آپ کی تفسیر کے متعلق امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ:

علامہ عثمانیؒ نے تفسیر لکھ کر تمام دنیائے اسلام پر احسان عظیم کیا ہے۔"

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ:

"میں نے ایسی تفسیر ابھی تک نہیں دیکھی۔ اس میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کی روح کارفرما ہے۔"

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں کہ:

"مولانا عثمانیؒ نے بہت سی ضخیم ضخیم تفسیروں کو مختصر کرکے سمندروں کو کوزے میں بھر دیا ہے۔ اس تفسیر کے علاوہ علامہ عثمانیؒ کی شرح مسلم شریف، اعجاز القرآن، اسلام کے بنیادی عقائد، العقل والنقل، الشہاب اور فضل الباری شرح صحیح بخاری علمی شاہکار تالیفات ہیں۔"

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ:

"حضرت علامہ عثمانیؒ کے تصنیفی اور علمی کارناموں اور کمال علمی کا نمونہ اردو زبان میں ان کی تفسیر قرآن کریم ہے۔"

اسی طرح مولانا ظفر علی خان مرحوم فرماتے ہیں کہ:

"علامہ عثمانیؒ ان علماء کرام میں سے تھے جو کلام اللہ کے حقائق اور معارف پر بالغانہ نظر رکھتے ہیں۔ جن میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے بعد قرآن دانی اور قرآن فہمی کی پوری صلاحیت علامہ عثمانی مرحوم کو حاصل تھی۔"

(ماخوذ تجلیات عثمانیؒ)

دینی و علمی خدمات کے علاوہ آپ کی سیاسی اور قومی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں۔ حضرت علامہ کی سیاسی، ملکی اور ملی خدمات کا آغاز جنگ بلقان سے ہوا۔ پھر آپ نے تحریک خلافت میں زبردست حصہ لیا۔ آپ پہلے جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے زبردست رکن تھے۔ اور ۱۹۱۹ء سے ۱۹۴۵ء تک اسی میں شریک رہے۔ پھر آپ نے مسلم لیگ میں شرکت فرماکر تحریک پاکستان کو تقویت بخشی اور تحریک پاکستان کے حامی علماء پر مشتمل ایک جماعت "مرکزی جمعیت علماء اسلام" کے نام سے تشکیل دی جس کے پہلے صدر علامہ عثمانیؒ

ہی منتخب ہوئے اور نائب صدر مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کو مقرر کیا گیا۔ درحقیقت یہ ہے کہ قائد اعظم کے بعد پاکستان کا وجود ان دونوں حضرات کا مرہونِ منت ہے۔ اور اگر یہ حضرات مسلم لیگ میں شرکت کر کے شریعت اسلامیہ کی روشنی میں متحدہ ہندوستان کے مسلمانوں کے سوادِ اعظم کی رہبری نہ کرتے تو مسلم لیگ کی طرف ہوا کے رُخ کو موڑنا اور نظریۂ پاکستان کی طرف سیاست کے دھارے کا منہ پھیرنا ناممکن نہیں تو دشوار بہت تھا۔

علامہ عثمانی نے اس سلسلہ میں جمعیت علماء اسلام کے صدر کی حیثیت سے ملک کے دورے کئے اور سرحد کے ریفرنڈم میں کامیابی آپ ہی کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ تھی۔ اس کے علاوہ آپ نے کشمیر کی جدوجہد آزادی میں نمایاں حصہ لیا اور پاکستان کی قومی اسمبلی کے ممبر ہونے کے باعث آپ نے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں قانون اسلامی کی تجویز قرارداد مقاصد کے نام سے پاس کرائی۔ غرضیکہ تحریک پاکستان میں اگر ایک طرف دنیاوی حیثیت سے قائد اعظم کی خدمات ہیں تو دوسری طرف اتنی ہی شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی دینی خدمات ہیں۔ اس لئے پاکستان کو دونوں رہنماؤں کی مشترکہ کوششوں کا ثمرہ خیال کرنا چاہیئے۔ پاکستان کی یہ کوشش اور جدوجہد اور یہ تگ ودو محض اس مقصد کے لئے کی گئی تھی کہ اس خطۂ زمین میں پاکستانی مسلمان قرآن و سنت کے قوانین نافذ کریں گے اور اپنی تہذیب اپنی ثقافت اپنے علوم و فنون اور اپنی زبان اردو کو فروغ دینے کے لئے کسی کے تابع اور محتاج نہیں رہیں گے۔

علامہ عثمانیؒ کے اس عظیم مشن کو پورا کرنے کے لئے علماء دیوبند نے بڑی قربانیاں دی ہیں۔ خصوصاً ان دینی مقاصد کو پورا کرنے کے لئے جن اکابر علماء نے شب و روز محنت اور جدوجہد کی ہے ان میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مخدوم الوقت حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ، استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ، حضرت مولانا اطہر علی سلہٹیؒ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، علامہ عثمانی مرحوم نے صرف اس عظیم مقصد کی خاطر اپنی زندگی کے آخری سال قربان کئے۔ آپ کے دل میں یہ تڑپ تھی کہ پاکستان میں اسلامی احکام اور قوانین کا اجراء اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ مگر قدرت نے جس سے جتنا کام لینا مقرر کیا ہے، اسی قدر اس سے کام لے کر اس کی زندگی کا پیمانہ لبریز کرتی ہے۔ قائد اعظم کی زندگی کا مشن پاکستان کا وجود تھا۔ اور حضرت شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کی زندگی کا مطمع نظر قدرت کے نزدیک قرارداد مقاصد کی تجویز کو پاس کرانا تھا کہ پاکستان کا آئین قرآن و سنت پر رکھا جائے۔ اب اسی تجویز کو مد نظر رکھ کر حضرت علامہ مرحوم کے روحانی فرزند جناب مولانا محمد تقی عثمانی ممبر اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان قانون اسلامی کی ترتیب و تدوین میں مصروف ہیں اور انشاء اللہ اپنے اکابر کے اس عظیم مشن کو پایۂ تکمیل کو پہنچائیں گے۔ حق تعالےٰ ان کی عمر دراز فرمائے (آمین) بہرحال حضرت علامہ عثمانیؒ کی دینی، علمی اور سیاسی خدمات کا احاطہ کرنا بہت مشکل ہے۔ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے اور بقول شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کہ

"حضرت علامہ عثمانیؒ اس
دور کے رازیؒ اور غزالیؒ تھے"

الغرض پاکستان بننے پر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو دیوبند سے افتتاح پاکستان کی تقریب میں حصہ لینے کے لئے کراچی تشریف لائے اور قائد اعظم کی درخواست پر اپنے دست مبارک سے پاکستانی پرچم لہرایا اور ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو معمولی بخار کے بعد یہ آفتاب علم و عمل ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ دنیائے اسلام میں ہر طرف کہرام مچ گیا اور پوری ملت اسلامیہ اپنے مذہبی امام کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوگئی۔ دو لاکھ سے زائد عقیدت مندوں نے نماز جنازہ پڑھی، اور امامت کے فرائض مفتی اعظم پاکستان حضرت الشیخ مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے انجام دیئے۔ آپ کا جسد خاکی اسلامیہ کالج جمشید روڈ کراچی میں سپرد خاک کیا گیا۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے آپ کی رحلت پر فرمایا کہ

"علامہ عثمانی کا یکا یک ہم سے جدا ہونا ایک ایسا صبر آزما سانحہ ہے جس پہ چشم ماتم گسار خدا جانے کب تک اشک بار رہے گی"۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے فرمایا کہ

"موت کے ظالم ہاتھوں نے ایک ایسی ہستی کو ہم سے جدا کر دیا جس سے ملک کے تمام مذہبی رہنما ہدایت حاصل کرتے تھے"۔

حق تعالےٰ ہمیں آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

بقیہ:- قومی ملکیت میں خیانت

دینے کی کوشش کی گئی۔ مارشل لاء کے تحت مقدمہ درج کیا جائے اور قومی ملکیت میں خیانت اور مجرمانہ کردار ادا کرنے والوں کو سنگین سزائیں دلوائی جائیں۔

۲۔ سات سال کے عرصہ میں ان بیش بہا زرعی رقبہ جات جس میں ایک عظیم الشان پھلدار باغ بھی موجود ہے، کی آمدنی سابقہ انجمن سے واپس لی جائے، اور خزانہ سرکار میں جمع کی جائے۔

۳۔ اس امر کی تحقیقات بھی کی جائے کہ اس رقبہ کے علاوہ اور کیا اشیاء مثلاً سائنس کا بیش قیمت سامان ٹریکٹر وغیرہ اور املاک مثلاً دارالضیافت جو درحقیقت پرائمری سکول کی بلڈنگ ہے اور ایک سرکاری پلاٹ پر مبینہ طور پر تعمیر کردہ ہے جو ابھی تک سابقہ انجمن کے قبضہ میں ہیں یہ چیزیں قومی ملکیت ثابت ہو جانے پر تعلیمی اداروں کو واپس کرائی جائیں۔ تاکہ قومی ضیاع کی تلافی ہو اور مجرموں کو اپنے کئے کی سزا مل سکے۔

نتیجۂ امتحانِ سالانہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان ملتان

سنہ ۱۳۹۹ھ

کل نمبر ۶۰۰، کامیاب درجہ علیا، ۳۶۰ یا اس سے زائد، کامیاب درجہ وسطیٰ ۳۰۰ یا اس سے زائد، کامیاب ادنیٰ ۲۴۰ یا اس سے زائد

اس سال وفاق المدارس العربیہ سے ملحق ۲۱ مدارس فوقانیہ کے ۴۱۰ طلباء نے سالانہ امتحان دورہ حدیث شریف منعقدہ شعبان ۱۳۹۹ھ میں شرکت کی، جن میں سے ایک طالب علم نے صحیح بخاری کا اور آٹھ طلباء نے جامع ترمذی کا ضمنی امتحان دے کر کامیابی حاصل کر لی، اور ایک طالب العلم جامع ترمذی کے ضمنی امتحان میں ناکام ہوا۔

اور باقی ۳۶۸ طلباء نے پوری دس کتب حدیث کا امتحان دیا، ان میں سے ۷۲ طلباء درجہ علیا میں کامیاب ہوئے۔ ۱۱۴ طلباء درجہ وسطیٰ میں اور ۹۱ طلباء درجہ ادنیٰ میں کامیاب ہوئے اور ۴۳ طلباء اگرچہ مجموعی طور پر کامیاب ہوئے ہیں مگر ۱۳ طلباء کو صحیح بخاری کا اور ۳۰ طلباء کو جامع ترمذی کا امتحان آئندہ سال پاس کرنے کے بعد سند فراغت دی جائے گی۔ ۴۸ طلباء امتحان میں ناکام ہوئے اور ۳۲ غیر حاضر رہے۔ نتیجہ ۷۳ فی صد رہا۔

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵ کے مولوی حفیظ الرحمٰن ولد مولانا صدرالشہید صاحب بنوں رول نمبر ۱۶۶ نے ۶۰۰ میں سے ۴۸۳ نمبر حاصل کر کے اول نمبر کامیاب ہوئے۔

اور مدرسہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مولوی فضل العظیم ولد قاضی عبدالحلیم صاحب دیر رول نمبر ۵۳ نے ۴۷۴ نمبر حاصل کر کے دوم نمبر کامیاب ہوئے اور اسی مدرسہ کے مولوی غلام الرحمٰن ولد شمس الرحمان ہزاروی رول نمبر ۹۶ نے ۴۷۰ نمبر حاصل کر کے سوم نمبر کامیاب ہوئے۔ فللہ الحمد۔

مولانا محمد ادریس
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان، ملتان

نام مدرسہ: دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

رول نمبر	نام طالب علم	ولدیت	حاصل کردہ نمبر	درجہ	ضمیمہ	رول نمبر	نام طالب علم	ولدیت	حاصل کردہ نمبر	درجہ	ضمیمہ
۱	امیر عباس	عالم خان	۲۸۳	الادنیٰ		۱۰	اختر جان	خان میر	۲۷۵	الادنیٰ	
۲	اخون سید	محمد ودود	۲۷۴	"		۱۱	امیر خانم	فضل الرحمٰن	۲۷۰	الادنیٰ	
۳	انوارالدین	ملا خریت	۳۳۹	وسطیٰ		۱۲	پشم خان	زرین خان	۲۴۲	"	
۵	انوار الحبیب	مولوی سراج الدین	۳۰۲	"		۱۳	تاج محمد	عمبر شاہ	۳۲۲	وسطیٰ	
۶	اسد اللہ	خان پاؤ	۳۲۸	"		۱۴	جنت گل	احمد گل	۳۰۷	"	
۷	امان اللہ خان	محمد فقیر	۲۷۷	الادنیٰ		۱۵	حبیب الاسلام	سید عبدالمجید	۳۲۹	"	
۸	احمد جان	حسن محمد	۳۶۶	علیاء		۱۶	خیال محمد	فقیر محمد	۲۴۰		ضمنی بخاری شریف

رول نمبر	نام طالب علم	ولدیت	حاصل کردہ نمبر	درجہ	ضمیمہ
۱۷۔	ریاض احمد	عبدالمنان	۳۱۴	وسطی	
۱۸۔	رفیع اللہ	سمندر خان	۳۴۷	"	
۱۹۔	رفیع اللہ	رشید خان	۳۲۰	"	
۲۰۔	رشید احمد	مولانا مفتی محمد فرید	۳۱۸	"	
۲۱۔	رحمت اللہ	عبدالرحمان	۲۸۸	ادنی	
۲۲۔	سمیع اللہ	سراج الدین	۳۴۵	وسطی	
۲۳۔	سبز علی	محمد امین شاہ	۳۷۶	علیا	
۲۴۔	سید نصیب علی شاہ	امیر عبداللہ شاہ	۴۰۸	"	
۲۶	سید جلال	رحمت شاہ	۲۸۱	الادنی	
۲۷۔	سید ولی اللہ	دین محمد	۴۰۶	علیا	
۲۹۔	سالم جان	عبدالمالک	۴۰۰	"	
۳۰۔	سید مطیع اللہ	سید محمد یار	۴۱۴	"	
۳۱۔	شہر افضل	محمد سلیم خان	۴۲۹	"	
۳۲۔	شیخ محمد	موٹا	۲۷۳	ادنی	
۳۳۔	عبدالحلیم	مولوی قیوم	۴۳۸	علیا	
۳۴۔	قاضی عبدالمنان	قاضی عبدالغفور	۳۱۹	وسطی	
۳۵۔	عبدالقیوم شاہ	محمد نادر شاہ	۳۱۷	"	
۳۶۔	عبدالجبار	فضل احمد	۳۹۳	علیا	
۳۷۔	عبداللہ	ملا سعد گل	۳۲۸	وسطی	
۳۸۔	عبدالغفار	عبداللطیف	۳۲۹	"	
۳۹۔	عبدالودود	دین محمد	۲۸۲	الادنی	
۴۰۔	عبدالعلی خان	نجیم خان	۲۸۹	ضمنی بخاری	
۴۱۔	عزیز الرحمان	مولانا فضل احمد	۴۲۱	علیا	
۴۲۔	عبدالرحمان	حاجی عبدالحمید	۳۷۲		
۴۳۔	عبادالرحمان	مولا سبحان	۳۱۵	وسطی	
۴۴۔	عبدالقدوس	صاحبزادہ محمد	۲۶۴	ترمذی شریف	
۴۵۔	عبدالواحد	مبارک دین	۲۹۹	الادنی	
۴۶۔	عبدالرزاق	غلام قاسم	۲۹۲		
۴۷۔	عبدالواحد	مولوی تاج محمد	۳۹۱	علیا	
۴۸۔	حافظ عبدالنصیر	محمد دین شاہ	۳۲۲	وسطی	
۴۹۔	غلام جلیل	بادشاہ خان	۳۱۸	"	
۵۰۔	غلام رسول	کمت خان	۳۳۲	"	
۵۱۔	غلام حبیب	غلام محمد	۲۴۶	الادنی	
۵۲۔	غلام نبی	فضل خان	۲۵۷	"	
۵۳۔	حافظ عظیم	قاضی عبدالحلیم صاحب	۴۷۴	علیا	دوم
۵۴۔	فضل محمد	نور محمد	۲۷۸	ترمذی شریف	
۵۵۔	عزمان اللہ	عجب خان	۲۹۹	الادنی	
۵۶۔	فضل محمد	حاجی محمد امین	۲۶۸	"	
۵۸۔	گلستان	مادا خان	۲۶۰	"	
۵۹۔	لطیف اللہ شاہ	محمد نواز شاہ	۲۷۹	"	
۶۰۔	محمد نور	محمد امین	۳۰۸	وسطی	
۶۱۔	محمد لعل الرحمان	عبدالرشید	۲۴۹	بخاری شریف	
۶۳۔	محمد شاہ	علی محمد	۲۷۶	الادنی	
۶۴۔	محمد ولی خان	حاجی بہادر	۲۶۰	"	
۶۵۔	محمد اسحاق وزیر	زید گل خان	۳۶۲	وسطی	
۶۶۔	محمد عمر	غلام خان	۲۴۰	الادنی	
۶۸۔	محمد کفایت اللہ	مولوی حبیب اللہ	۳۶۹	علیا	
۶۹۔	محمد اکبر جان	صفت شاہ	۲۷۶	الادنی	
۷۰۔	محمد نبی	عبدالمنان	۲۶۱	"	
۷۱۔	محمد اقبال	عبداللہ خان	۲۷۸	"	
۷۲۔	محمد الرحمان	گلزار شاہ	۲۶۱	"	
۷۳۔	محمد صالح شاہ	رسول شاہ	۲۹۲	"	
۷۴۔	محمد شریف	میر محمد	۲۷۱	"	
۷۵۔	مبارک شاہ	گل رخسار	۳۹۳	علیا	
۷۶۔	مطیع الرحمان	مولانا فضل سبحان	۲۵۸	الادنی	
۷۷۔	حافظ محمد امین	امیر خان	۴۳۹	علیا	
۷۸۔	محمد رؤف	عمل خان	۲۴۹	الادنی	
۸۰۔	محمد ادریس	مولانا احمد	۳۶۰	علیا	
۸۱۔	محمد گلاب	نور خان	۲۹۴	الادنی	
۸۲۔	محمد حبیب	حاجی ظفر خان	۲۹۰	"	
۸۳۔	محمد ہود	امیر محمود	۲۴۶	"	
۸۴۔	مبارک شاہ	میر صاحب جان	۳۱۶	وسطی	
۸۵۔	محمد انور	مولوی گل محمد	۳۷۳	علیا	
۸۶۔	محمد سعید	محمد نوروز	۲۷۴	ادنی	
۸۷۔	محمد عیسی	دنیا خان	۳۳۰	وسطی	
۸۸۔	منتل خان	عبدالمالک	۳۲۳	"	
۸۹۔	حافظ محمد قاسم	حاجی نور محمد	۳۱۷	"	
۹۱۔	نورالجلیل	عبدالجلیل	۳۸۲	علیا	
۹۲۔	نثار محمد	رفیع اللہ خان	۳۰۶	بخاری شریف	
۹۳۔	نعمت اللہ	خان عالم	۳۱۵	وسطی	
۹۴۔	نورالحق	محب اللہ	۴۱۱	علیا	
۹۵۔	ہدایت اللہ	مولانا حمید الحسن	۴۰۲	"	

۹۶۔ غلام الرحمان	شمس الرحمان	۴۷۰	علیا	سوم
۹۷۔ بہرام	سید حسن	۲۷۱	ترمذی شریف	
۹۸۔ سراج الحق	شمس الحق	۳۳۶	وسطی	
۹۹۔ وحید زمان	قاضی عماد الدین	۲۹۱	الادنی	
۱۰۰۔ محمد کریم شاہ	مومن خان	۲۸۵	″	
۱۰۵۔ عین الدین	محمد امین	صرف ۶۰	کامیاب	
۳۶۱۔ حسن محمد	عبد المجید	۴۰	″	

نتیجہ : ۸۰ فیصد

مدرسہ دار العلوم النعمانیہ اتمانزئی

۱۲۸۔ ظہیر الحق	مولانا مطیع الحق	۲۵۶	″
۱۳۵۔ دوست محمد	سفر محمد	۳۳۲	وسطی
۱۳۶۔ عبد الحکیم	عمر شاہ	۳۲۸	″

نتیجہ : ۲۵ فیصد

مدرسہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی نمبر ۵

۱۳۹۔ خورشید انور	مولانا محمد اسمٰعیل	۲۷۵	ترمذی شریف
۱۴۰۔ محمد جمیل	سید حسن	۳۷۵	العلیا
۱۴۱۔ شریف اللہ	سلطان سکندر	۴۱۸	″
۱۴۲۔ عبد الحمید	محمد ابراہیم	۳۵۳	وسطی
۱۴۳۔ عمر الرحمان	میاں آدم خان	۴۱۱	علیا
۱۴۴۔ محمد طاہر	مولانا فضل الرحمٰن	۳۹۵	″
۱۴۵۔ عبد القدوس	مولانا سلیمان	۳۱۴	وسطی
۱۴۷۔ عبد الخالق	محمد یوسف	۳۴۹	″
۱۴۸۔ فضل الغفار	مولوی محمد عمران	۳۰۲	″
۱۴۹۔ یار محمد	حاجی محمد صدیق	۴۰۴	علیا
۱۵۰۔ علی شیر	حافظ کمال الدین	۲۸۵	ادنی
۱۵۱۔ سعد اللہ	سیف اللہ	۳۶۷	علیا
۱۵۲۔ محمد حسن	شیران	۳۱۴	وسطی
۱۵۳۔ عبد القادر عثمانی	یوسف عثمانی	۳۷۲	علیا
۱۵۴۔ فیصل تکلی	محمد حنیف	۳۳۴	وسطی
۱۵۵۔ محمد عبد الجلیل	حاجی صدیق علی	۴۲۴	علیا
۱۵۶۔ نور محمد	ماموں	۳۰۰	وسطی
۱۵۷۔ ملا جان	گل محمد	۳۱۹	″
۱۵۸۔ امر عالم	صالح خان	۳۶۰	العلیا
۱۵۹۔ امیر الدین	محمد اسلم	۳۸۷	″
۱۶۰۔ محمد اکرم	مولانا فضل احمد	۳۷۵	″
۱۶۱۔ فیض اللہ	مولانا محمد یوسف	۳۳۰	وسطی
۱۶۲۔ عبد المالک	حافظ عبد الواجد	۲۵۴	الادنی
۱۶۳۔ ظہور الحق	محمد رحیم	۲۹۳	″
۱۶۴۔ عبد الاول	عبد الاحد	۳۳۰	وسطی
۱۶۵۔ نہال الدین	منہاج الدین	۳۴۳	″
۱۶۶۔ حفیظ الرحمن صاحب	مولانا صدر الشہید صاحب	۴۸۳	العلیا **اوّل**
۱۶۷۔ محمد سرفراز	میردل خان	۳۳۲	وسطی
۱۶۸۔ محمد خانم	محمد حسین خان	۳۱۶	″
۱۶۹۔ محمد اشرف	خیر محمد	۳۶۰	علیا
۱۷۰۔ خالد محمود	غلام فرید	۲۷۵	الادنی
۱۷۱۔ عبد القیوم سندھی	عبد الغفور	۴۲۴	العلیا
۱۷۲۔ شفیع احمد	سلیمان صاحب	۳۲۳	وسطی
۱۷۳۔ عبد السمیع	مولوی امیر الدین	۳۷۴	علیا
۱۷۴۔ عاشق حسین	فضل الٰہی	۳۳۵	وسطی
۱۷۵۔ عبد الحمید سندھی	حامد اللہ	۴۳۷	علیا
۱۷۶۔ غلام قادر	مولوی غلام سرور	۳۸۲	″
۱۷۷۔ عبد القیوم	مولانا عبد الرشید	۳۵۲	وسطی
۱۷۸۔ فضل متین	فضل قیوم	۲۸۸	ادنی
۱۷۹۔ محمد اسماعیل	محمد ابراہیم	۳۱۰	وسطی
۱۸۰۔ محمد انور	غلام رسول	۴۴۲	علیا
۱۸۱۔ محمد افضل	تاج محمد	۳۸۵	″
۱۸۲۔ محمد نعیم	قاری عبد الحلیم	۳۹۸	″
۱۸۳۔ فضل محمد	لالو خان	۴۵۱	″
۱۸۴۔ فضل قیوم	عبد اللہ	۲۵۱	الادنی
۱۸۵۔ حنیف الرحمان	فضل مولی	۲۸۴	بخاری شریف
۱۸۶۔ شکیل الرحمان	محمد نذر الرحمان	۳۶۱	علیا
۱۸۷۔ عمر داد	خدا داد	۳۴۱	وسطی
۱۸۸۔ جمیل الرحمان	محمود الحسن	۵۵	کامیاب
۱۸۹۔ علی بھائی	فقیر موسیٰ	۵۰	″

نتیجہ : ۹۶ فیصد

مدرسہ اشاعت القرآن حضرو

۱۰۶۔ رحمت دین	گل محمد	۲۹۶	الادنی
۱۰۹۔ عبد السبوح	محمد یعقوب	۲۴۷	″

نتیجہ : ۵۰ فیصد

دارالعلوم سرحدیہ پشاور

۱۱۱۔ عبدالرؤف	عبدالقیوم	۲۶۹	الادنیٰ
۱۱۳۔ گلاب احمد	نوڑا بیگ	۳۱۱	وسطیٰ
۱۱۴۔ نجم الدین	سمیع الدین	۳۰۹	〃
۱۱۵۔ محبوب شاہ	عبدالجلیل	۲۵۶	الادنیٰ
۱۱۶۔ شاہ محمد	غلام محمد	۲۶۷	〃
۱۱۷۔ بشیر احمد	غلام محمد	۲۷۲	〃
۱۱۸۔ فردوس خان	سکندر خان	۲۷۳	〃
۱۱۹۔ غلام رسول	دین محمد	۲۴۷	بخاری شریف
۱۲۰۔ محمد یونس	حاجی سکندر	۲۵۳	ترمذی شریف
۱۲۱۔ عبدالغفور	میر غلام	۳۴۵	وسطیٰ
۱۲۲۔ مستوب شاہ	ثابت شاہ	۳۱۲	〃

نتیجہ ۵۶ فیصد

دارالعلوم عربیہ ٹل

۱۲۵۔ حبیب الرحمان	مولانا محمد نواز	۴۰	کامیاب

مدرسہ مظہر العلوم کراچی

۱۹۰۔ وحید شاہ	مولوی رحمت اللہ	۲۷۱	ترمذی شریف
۱۹۱۔ حافظ محمد	مولوی محمد اکبر	۳۸۲	علیا
۱۹۲۔ سعید احمد	قاری عبدالرحمان	۲۵۵	الادنیٰ
۱۹۴۔ عبدالوہاب	مولوی یحییٰ	۲۶۳	الادنیٰ
۲۰۲۔ محمد جمیل الرحمان	جان محمد	۲۳۴	وسطیٰ

نتیجہ ۲۷ فیصد

مدرسہ جامعہ فاروقیہ کراچی ۲۵

۲۰۵۔ محمد نعیم	مولوی عبدالرحیم	۴۰۸	علیا
۲۰۶۔ محمد طیب	محمد ظریف	۳۵۵	وسطیٰ
۲۰۷۔ محمد شفیع	صالح محمد	۳۴۰	〃
۲۰۸۔ کرامت اللہ	محمد امین	۳۶۹	علیا
۲۰۹۔ عبدالرحمان	خلیل الرحمان	۳۱۸	وسطیٰ
۲۱۰۔ محمد سعید اللہ	مولانا سلیمان شاہ	۳۳۱	〃
۲۱۲۔ محمد اسلم	محمد حسین	۳۹۲	علیا
۲۱۳۔ مشتاق الرحمٰن	محمد عرفان	۳۱۳	وسطیٰ

۲۱۴۔ ابراہیم	احمد ماکڑا	۲۸۶	بخاری شریف
۲۱۵۔ نصیب اللہ	چندن خان زرین	۳۷۲	علیا
۲۱۶۔ خدا رحیم	علیم براہوئی	۳۵۴	وسطیٰ
۲۱۷۔ شمس الحق	مولانا خلیل الرحمٰن	۳۶۹	علیا
۲۱۸۔ عظمت اللہ	غلام محمد	۳۹۸	علیا
۲۱۹۔ شفیق الرحمٰن	محمد یونس المعروف یون	۳۴۱	ترمذی شریف
۲۲۰۔ غلام نبی	عجب براہوئی	۲۹۹	الادنیٰ
۲۲۱۔ لاک معروف بعبدالحق	قادر بخش	۳۰۷	وسطیٰ
۲۲۲۔ محمد حسین	نظر محمد	۳۲۵	〃
۲۲۳۔ محمد نواز خان	محمد شبدا	۳۷۸	علیا
۲۲۴۔ عبدالوہاب	گھور خان	۳۱۱	وسطیٰ
۲۲۵۔ مامون رشید	اسداللہ خان	۳۸۳	علیا
۲۲۶۔ محمد امین برماوی	محمد یعقوب	۳۴۴	وسطیٰ
۲۲۷۔ محمد یعقوب	حسین احمد خیاط	۳۵۳	〃
۲۲۸۔ عبدالعزیز	ابوالحسین ٹروی	۳۰۲	ترمذی شریف
۲۲۹۔ عبدالمالک برماوی	عبدالسلام برماوی	۳۵۹	وسطیٰ
۲۳۰۔ عبدالقیوم	خواجہ عبدالرسول	۲۹۲	الادنیٰ
۲۳۱۔ محمد نظر الاسلام	عبدالقدوس	۳۵۲	وسطیٰ
۲۳۲۔ شیخ یونس	شیخ محمد جعفر	۲۸۸	الادنیٰ
۲۳۳۔ مقبول الرحمٰن	عبدالرحیم	۳۰۳	ترمذی شریف
۲۳۴۔ بشیر احمد	اللہ وسایا	۳۰۶	〃 〃
۲۳۵۔ انعام الحق	مولانا اظہار الحق	۲۸۵	الادنیٰ
۲۳۶۔ محمد حسن	محمد	۲۷۴	〃
۲۳۸۔ شبیر احمد	صغیر احمد	۲۸۹	ترمذی شریف
۲۳۹۔ حافظ محمود الحق	قاری محفوظ الحق	۲۹۸	ادنیٰ
۲۴۰۔ عبدالحلیم	محمد رمضان	۳۰۶	ترمذی شریف
۲۴۱۔ غلام اکبر	غلام قادر	۳۴۴	وسطیٰ
۲۴۲۔ مرزا مسعود بیگ	مرزا عبدالرحیم بیگ	۳۷۱	علیا
۲۴۳۔ تاج الدین	مفتی نور اللہ	۲۹۹	ترمذی شریف
۲۴۴۔ محمد عبدالحنان	مولانا عبدالرحیم	۲۸۴	ضمنی ترمذی
۲۴۵۔ محمد عبیداللہ	دوست محمد قریشی	۲۸۳	ترمذی شریف
۲۴۶۔ حافظ مقبول الرحمٰن	میر عبدالرحمٰن	۳۴۱	وسطیٰ
۲۴۷۔ حافظ غلام جیلانی	نذیر محمد	۲۷۷	ادنیٰ
۲۴۸۔ قاری سیف اللہ	نظر محمد	۳۳۰	وسطیٰ
۲۴۹۔ حافظ عبدالرشید	احمد خان	۳۳۸	〃
۲۵۱۔ عبیداللہ شاہوانی	محمد شریف	۳۰۵	〃
۳۶۸۔ تاج الدین	محمد نصیر جان	۳۳۷	〃
۳۶۹۔ حبیب الرحمٰن	آغا میر	۳۶۸	علیا

نتیجہ : ۷۳ فیصد

مدرسہ عربیہ مدینۃ العلوم بھینڈ شریف

۲۵۲۔ محمد رمضان	عبدالستار میمن	۳۴۰	وسطی
۲۵۳۔ محمد عیسیٰ	عبدالرحیم رسول	۳۴۷	//
۲۵۴۔ عبید اللہ	عبدالرحمان	۲۹۰	ادنیٰ
۲۵۵۔ محمد شعیب	محمد حکیم فارسی	۳۶۶	وسطی
۳۷۰۔ کلیم اللہ	حبیب اللہ	۲۴۹	بخاری شریف

نتیجہ ۸۰ فیصد

مدرسہ عربیہ دارالعلوم فیصل آباد

۲۵۶۔ محمد یونس بٹ	عبدالستار	۴۱۴	العلیا
۲۵۷۔ حافظ محمد یونس	مولانا محمد یوسف لدھیانوی	۴۱۹	//
۲۵۸۔ قاری رحمت اللہ	احمد دین	۳۴۶	وسطی
۲۵۹۔ غلام رسول	نور محمد	۳۶۲	العلیا
۲۶۰۔ حافظ محمد موسیٰ	حضور محمد	۳۲۴	وسطی
۲۶۱۔ محمد نواز	حبیب الرحمان	۲۳۶	- ترمذی شریف
۲۶۲۔ انوار الحق	چوہدری نور محمد اعوان	۲۵۳	- // //
۲۶۳۔ غلام اللہ	ولی خان	۳۹۴	العلیا
۲۶۴۔ عبید اللہ	محمد شفیع	۳۹۹	//
۲۶۵۔ عبدالرشید	عبدالرحمان	۲۹۸	ادنیٰ

نتیجہ ، ۶۷ فیصد

مدرسہ عربیہ دارالعلوم ربانیہ بستی ریاض المسلمین

محمد رفیق	جلال الدین	۲۵۳	- ترمذی شریف
منظور احمد	غلام محمد	۳۲۷	وسطی
محمد اسمٰعیل	محمد مسلم	۲۴۱	// //
عبدالحئی	عبدالغنی	۲۹۲	ادنیٰ
محمد طیب	عبدالستار	۲۶۷	//

مدرسہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال

۲۷۳۔ غلام سرور	محمد یعقوب	۲۵۰	ادنیٰ
۲۷۵۔ محمد اختر	عبدالرحیم	۲۴۸	ترمذی شریف
۲۷۷۔ منیر احمد	علی محمد	۲۴۶	// //

۲۷۹۔ اللہ یار	محمد حسین	۲۷۲	ترمذی شریف

مدرسہ عربیہ دارالعلوم کبیر والہ ضلع ملتان

۲۸۴۔ ارشاد احمد	رحیم بخش	۳۸۹	العلیا
۲۸۵۔ صدرالدین	خیر محمد	۳۴۳	وسطی
۲۸۶۔ فیض محمد	خدا بخش	۳۵۰	//
۲۸۷۔ عبدالاحد	مہر بخش	۲۷۴	بخاری شریف
۲۸۸۔ عبدالکریم	محمد عمر	۳۰۶	وسطی
۲۸۹۔ حبیب الرحمان	خان محمد	۲۸۸	ادنیٰ
۲۹۰۔ محمد ثناء اللہ	غلام سرور	۳۱۱	وسطی
۲۹۲۔ عنایت اللہ	محمد خان	۳۰۰	//
۲۹۳۔ عبدالعزیز	سلطان محمود	۲۶۹	ادنیٰ
۲۹۵۔ منیر احمد	برکت اللہ	۳۰۰	بخاری شریف
۲۹۶۔ محمد عبدالغفار	مولانا محمد عبدالستار	۳۲۵	ترمذی //
۲۹۹۔ بشیر احمد	میاں محمود	۲۶۷	ادنیٰ
۳۰۱۔ عبدالحمید	حافظ یحییٰ محمد	۲۸۹	//

مدرسہ عربیہ جامعہ اشرفیہ لاہور

۳۰۲۔ حسین احمد	عبدالعزیز	۳۰۱	وسطی
۳۰۳۔ محمد عمران	محمد غفران	۲۸۲	الادنیٰ
۳۰۴۔ ظفر اقبال	محمد حیات	۳۲۷	وسطی
۳۰۵۔ امان اللہ	علی محمد	۳۹۰	العلیا
۳۰۶۔ شفیق الرحمان	عزیز الرحمان	۳۲۳	وسطی
۳۰۷۔ عبدالرحمٰن	محمد شفیع	۳۴۶	وسطی
۳۰۸۔ عبدالباقی	میر گل	۲۷۲	الادنیٰ
۳۰۹۔ عبدالجمیل	مسطر علی	۳۰۰	بخاری شریف
۳۱۰۔ سعید الاسلام	علی اکبر خان	۳۰۷	وسطی
۳۱۱۔ عبدالغفور	مولانا عبدالمنان	۲۵۵	الادنیٰ
۳۱۲۔ شبیر احمد	اللہ دین	۳۲۸	وسطی
۳۱۳۔ محمد عثمان	محمد دین	۳۵۵	//
۳۱۴۔ عبدالرؤف	شمس الدین	۲۹۲	الادنیٰ
۳۱۵۔ فضل ربی	مولانا عطاء اللہ	۲۴۳	
۳۱۶۔ محمد خورشید	محمد نواب خان	۳۵۲	وسطی
۳۱۷۔ سعید احمد	مولانا عبداللطیف	۴۱۲	العلیا
۳۱۸۔ عبدالقیوم	حکیم خان	۳۶۶	//
۳۱۹۔ محمد شریف	غلام محمد	۳۵۲	وسطی

۳۲۰	بشیر احمد	شمس الدین	۲۶۵	الادنیٰ	
۳۲۱	عبدالخالق	عبدالحق	۳۳۱	وسطیٰ	
۳۲۲	محمد صادق	مولانا حامد علی	۳۳۶	〃	
۳۲۳	جلال الدین	مفتاح الدین	۳۶۶	العلیا	
۳۲۴	محمد منیر	سراج دین	۳۲۵	وسطیٰ	
۳۲۵	محمد یوسف	شہباز خان	۲۸۵	الادنیٰ	
۳۲۷	نصیر الدین شاہ	بہادر شاہ	۳۶۲	العلیا	
۳۳۰	عبدالمتین	غلام رسول	۳۱۲	وسطیٰ	
۳۳۲	ممتاز احمد	محمد عبدالغفور	۲۶۷		ترمذی شریف
۳۳۳	عبیداللہ	خوشی محمد	۲۷۴		〃 〃
۳۳۵	محمد مرسلین	محمد حلیم	۳۵۵	وسطیٰ	
۳۳۸	محمد عارف	محمد اسلام	۳۶۹	العلیا	

مدرسہ جامعہ مدنیہ لاہور

۳۴۰	سید منصور حسین شاہ	سید محمد یعقوب شاہ	۲۶۲		ترمذی شریف
۳۴۱	حافظ عبدالغفار	مولوی محمد اسحاق	۳۱۸	وسطیٰ	
۳۴۲	حافظ شوکت علی	غلام یٰسین	۲۹۵	ادنیٰ	
۳۴۳	محمد یٰسین	جلال الدین	۳۶۷	العلیا	
۳۴۴	نصراللہ خاں	لطف اللہ خاں	۲۷۹	ادنیٰ	
۳۴۵	فاروق احمد	خان محمد	۳۴۷	وسطیٰ	
۳۴۶	حافظ محمد یٰسین	جان محمد	۳۳۲	〃	
۳۴۷	محمد یونس	مولانا عبدالحکیم	۲۸۶	الادنیٰ	
۳۴۸	غلام مصطفیٰ	مولانا ولی احمد	۲۶۸	〃	
۳۴۹	عاشق حسین	حاجی محمد صاحب	۲۸۹	〃	
۳۵۰	منظور الٰہی	مولانا محمد ایوب	۳۳۴	وسطیٰ	
۳۵۱	خادم حسین	احمد بخش	۳۲۸	〃	
۳۵۲	محمد بلال	فتح دین	۲۷۵	الادنیٰ	
۳۵۳	عبدالمجید	فتح محمد	۳۰۷	وسطیٰ	
۳۵۴	محمد اشرف	محمد شفیع	۳۱۹		ترمذی شریف
۳۵۵	عبدالواحد	عبدالخالق	۳۵۳	وسطیٰ	
۳۵۸	محمد حنیف	محمد اسمٰعیل	۲۹۷	الادنیٰ	

مدرسہ معراج العلوم بنوں

۳۷۱	قاضی محمد اسحاق	قاضی محمد ایوب	۴۰		کامیاب

مدرسہ عربیہ قاسم العلوم، ملتان

۳۷۲	نذیر احمد	صالح محمد صاحب	۳۱۴	وسطیٰ	

۳۷۳	عبدالغفور	غلام قادر	۳۲۰	وسطیٰ	
۳۷۴	محمد ادریس	نور احمد	۲۶۰		ترمذی شریف
۳۷۵	عطاء اللہ	بشیر احمد	۳۱۹	وسطیٰ	
۳۷۶	رحیم بخش	ملک پھلا واں	۳۲۱	〃	
۳۷۷	احمد حسین	مولانا محمد حسن	۳۱۳	〃	
۳۷۸	محمد عبداللہ	حافظ رحیم بخش	۳۴۸	〃	
۳۷۹	عطاء اللہ	حاجی احمد	۳۷۶	العلیا	
۳۸۰	حسین احمد	واحد بخش	۲۷۹		ترمذی شریف
۳۸۱	غلام سرور	محمد سوہارا	۳۳۷	وسطیٰ	
۳۸۲	عبدالشکور	دین محمد	۳۲۷	〃	
۳۸۳	محمد اسحاق	عبدالستار	۳۱۴	〃	
۳۸۴	اللہ بخش	خدا بخش	۳۶۷	العلیا	
۳۸۵	محمد ابراہیم	سراج احمد	۳۸۶	〃	
۳۸۶	عزیز الرحمان	عبدالمالک	۳۱۹	وسطیٰ	
۳۸۷	وزیر احمد	سردار احمد	۲۷۴	ادنیٰ	
۳۸۸	خلیل الرحمان	غلام حسین	۲۷۵	〃	
۳۸۹	محمد موسیٰ	اللہ دین	۳۱۴	وسطیٰ	
۳۹۰	ظفر اللہ	حبیب اللہ	۲۶۰		ترمذی شریف
۳۹۳	سعید احمد	کرم بخش	۲۵۹	الادنیٰ	
۳۹۵	قمر الدین	غلام حسین	۲۷۳	〃	
۳۹۸	محمد اسحٰق	اللہ ڈتہ	۲۵۱	〃	
۳۹۹	خادم حسین	اللہ ڈتہ	صرف ۴۰	کامیاب	

مدرسہ عربیہ خیر المدارس

ملتان

۴۰۰	عبیداللہ صاحب	مولانا عبدالعزیز	۲۹۷	الادنیٰ	
۴۰۳	عبدالعزیز	مولانا محمد جمال	۲۸۱	〃	
۴۰۴	احسان احمد	جیون خان	۳۱۲	وسطیٰ	
۴۰۵	عبدالحمید	نور محمد	۲۴۰		بخاری شریف
۴۰۶	غلام حسین	غلام فرید	۲۵۲	الادنیٰ	
۴۰۷	محمد اسمٰعیل	حاجی عاشق محمد	۲۵۶		بخاری شریف
۴۰۸	نذیر احمد	اللہ وسایا	۲۶۰	الادنیٰ	
۴۰۹	عبدالقادر	نبی بخش صاحب	۲۸۶	〃	

پندرھویں صدی ہجری کی تقریبات کے آغاز میں ایک ملک گیر کنونشن بلایا جائیگا۔

جاوید ابراہیم پراچہ

جمعیۃ طلباء اسلام پاکستان کے مرکزی صدر جناب جاوید ابراہیم پراچہ نے گذشتہ دنوں اعلان کیا ہے کہ جمعیۃ طلباء اسلام پندرھویں صدی ہجری کی تقریبات بھرپور طریقے سے منائے گی۔ انہوں نے اس اعلان کا پس منظر بیان کرتے ہوئے کہا کہ زندہ قومیں اپنے ماضی کو سامنے رکھتے ہوئے آئندہ کا لائحہ عمل تیار کرتی ہیں اور نئی فکر اور نئی سوچ کی شمعیں جلا کر اپنے مستقبل کو روشن کرتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ صدی ہجری کے آغاز پر ہم نے اجتماعی مسائل کو مدنظر رکھ کر بیٹھے کرنا ہے کہ آج کی نئی نسل کو کس انداز میں سوچنے اور عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اس وقت یہ بھی سوچنا ہوگا کہ ہم نے آنے والے دور کا رشتہ اپنے ماضی سے کس طرح جوڑنا ہے۔ یہ صدی ہجری کا آغاز ہمارے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔ اس کی ضرورت و اہمیت کے پیش نظر جمعیۃ طلباء اسلام نوجوان طلبہ کے جذبات کی سچی تصویر کھینچنے اور عمل کے وسیع میدان کے تعین کے لئے ایک ملک گیر کنونشن بلایا جائے گا جس میں پورے ملک سے پانچ ہزار مندوبین شرکت کریں گے۔ انہوں نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ جلد ہی اس کنونشن کی تاریخوں کا اعلان کردیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ اس کنونشن کے اختتام پر جمعیۃ طلباءٔ اسلام صدی ہجری کی دیگر تقریبات کے شیڈول کا اعلان کرے گی۔

کنونشن کی تاریخوں کا اعلان ہوتے ہی ساتھی بھرپور جدوجہد شروع کردیں۔

میاں محمدّ اجمل قادری

جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کے مرکزی نائب صدر جناب میاں محمد اجمل قادری نے تمام طلبہ ساتھیوں کے نام ایک پیغام میں کہا کہ اس ملک گیر کنونشن کی تاریخوں اور مقام انعقاد کا اعلان بہت جلد کردیا جائے گا۔ اس صورت میں تمام ساتھی ابھی سے اس پروگرام کی تشہیر شروع کردیں اور اس کی عملاً تیاری بھی کریں۔ یہ کنونشن جمعیۃ طلباء اسلام کی تاریخ میں ایک منفرد مقام کا حامل ہوگا۔ میاں صاحب نے کہا کہ مجھے اپنے عقابی سوچ رکھنے والے نوجوانوں سے توقع ہے کہ وہ کنونشن کی تاریخوں کا اعلان ہوتے ہی بھرپور جدوجہد شروع کردیں گے اور اس کنونشن کو روایتی انداز میں کامیاب بنائیں گے۔

قائد طلبہ دورے پر

جمعیۃ طلباء اسلام پاکستان کے مرکزی قائد جناب جاوید ابراہیم پراچہ حسب پروگرام صوبہ بلوچستان اور سندھ کے دورے پر روانہ ہورہے ہیں۔ تمام احباب اور جماعتی ساتھیوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ جناب پراچہ صاحب کے دورہ کو بھرپور طریقہ سے کامیاب بنا کر اپنے جماعتی فرض سے عہدہ برا ہوں۔ پراچہ صاحب کے ہمراہ جمعیۃ طلبہ اسلام پاکستان کے مرکزی ناظم مالیات جناب حافظ اطہر عزیز، مرکزی ناظم جناب ڈاکٹر اعظم چیمہ بھی ہوں گے۔ مرکزی قائدین کے دورے کی مفصل رپورٹ آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔

اسلامی انقلاب آکر رہے گا،

ندیم اقبال اعوان

گذشتہ دنوں جمعیۃ طلباء اسلام پاکستان حلقہ جامعہ اشرفیہ لاہور کا ایک اجتماع ہوسٹل جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن میں منعقد ہوا۔ اجلاس کی صدارت جناب غلام جیلانی نے کی۔ اجلاس کا آغاز جناب محمد ریاض کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اجلاس کے مہمان خصوصی

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں ورنہ تعمیل نہ ہوگی:

محمد سلیم قریشی

جمعیۃ طلبہ اسلام کے مرکزی ناظم عمومی جناب ندیم اقبال اعوان اور پنجاب یونیورسٹی کے جناب محمد حفیظ تھے۔ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے جناب حفیظ صاحب نے کہا کہ دینی مدارس اور کالجوں یونیورسٹیوں کے طلبہ پر مشتمل طلبہ کی واحد تنظیم جمعیۃ طلباء اسلام ہی ہے جو اسلامی اقدار کے احیاء کے لئے جدوجہد کر رہی ہے۔ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے مہمان خصوصی جناب ندیم اقبال نے کہا کہ قدرت کا قانون ہے کہ خلوص کے ساتھ کی ہوئی محنت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ ہماری کوششیں انشاء اللہ رنگ لائیں گی اور اس ملک میں اسلامی انقلاب ضرور آئے گا۔ لیکن استقامت کے ساتھ مسلسل جدوجہد کرنا کامیابی کی شرط اول ہے۔ اجلاس سے ضلع لاہور کے صدر خالد محمود ٹیپو نے بھی خطاب کیا۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو خراج عقیدت

جمعیۃ طلباء اسلام حلقہ شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ کے ناظم عمومی جناب دلسوز محمد نعیم ترین اور حمد اللہ نے تحریک پاکستان کے عظیم قائد حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے تحریک پاکستان میں دینی طبقہ کی نمائندگی کر کے تحریک پاکستان میں جان ڈال دی تھی۔ انہوں نے کہا کہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے یوم وفات پر ریڈیو ٹیلیویژن سے خصوصی پروگرام نشر کئے جائیں۔

اختصار کے ساتھ

گوجرانوالہ: ۸ دسمبر کو جمعیۃ طلباء اسلام گوجرانوالہ حلقہ شیرانوالہ باغ کا ہفتہ وار اجلاس ہوا جس سے متعلق ناظم عمومی دلسوز محمد نعیم ترین نے طلبہ سے خطاب کیا اور انہیں اپنی سرگرمیاں تیز کرنے کی ہدایت کی۔

لاہور: جمعیۃ طلباء اسلام حلقہ مغلپورہ سائنسی کوارٹر لاہور کے زیر اہتمام شان صحابہؓ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں

مولانا شہباز خان، مولانا محمد عبد اللہ، مولانا صالح محمد نے خطاب کیا۔ مقررین نے خطاب کرتے ہوئے جمعیۃ طلباء اسلام کو خراج تحسین پیش کیا کہ جمعیۃ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے مشن کو لے کر چل رہی ہے۔ بعد ازاں طلبہ نے عہد کیا کہ وہ جمعیۃ طلباء اسلام کا پیغام انشاء اللہ کونے کونے میں پہنچا دیں گے۔

اوکاڑہ:

(ا) جمعیۃ طلباء اسلام اوکاڑہ کے ناظم عمومی جناب ہارون الرشید ناظم جناب منظور احمد شاہ نے تحصیل بھکر کا دورہ کیا۔

(ب) دارالعلوم جامعہ مدنیہ اوکاڑہ کا اجلاس ہوا جس میں مقامی شاخ کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔

صدر	:	حافظ ہارون الرشید
نائب صدر	:	محمد صدیق
ناظم عمومی	:	جناب محمد یوسف
ناظم	:	سید احسان الحق گیلانی
" اطلاعات	:	ملک محمد اسحٰق
" مالیات	:	محمد امین

(ج) جامعہ مدنیہ میں جمعیۃ طلباء اسلام کے زیر اہتمام ہفتہ وار درس قرآن کا افتتاح کیا گیا جس کا افتتاح شیخ الحدیث جناب مولانا محمد عطاء اللہ نے کیا۔

سندھ: سندھ جمعیت طلبہ اسلام کے صدر جناب نذیر احمد پھلپوٹو نے جناب محمد صدیق سومرو رکن مجلس شوریٰ سندھ کو رابطہ سیکرٹری برائے صدر جمعیۃ طلبہ اسلام سندھ مقرر کیا ہے۔ تمام ساتھی ان سے آئندہ رابطہ قائم رکھیں۔

حلقہ محمود آباد کراچی

جمعیۃ طلباء اسلام، حلقہ محمود آباد کراچی کے انتخابات زیر صدارت مولانا نور حسین ہوا جبکہ مہمان خصوصی مولانا خان محمد ربانی تھے۔ اجلاس میں مندرجہ ذیل عہدیداروں کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔

صدر	:	حبیب الرحمٰن صدیقی
نائب صدر	:	محمد اشرف اقبال
ناظم عمومی	:	حافظ بلال اختر
ناظم	:	محمد رفیع
" اطلاعات	:	اکرام الدین
" مالیات	:	سوال میر

نو منتخب عہدیداروں سے کراچی ڈویژن کے ناظم عمومی جناب عبدالقیوم طاہر نے حلف لیا۔

مرکزی تربیتی اجتماع

جمعیۃ طلباء اسلام پاکستان کی مرکزی پالیسی ساز کونسل کے فیصلے کے مطابق ۲۸ دسمبر تا یکم جنوری ۱۹۸۰ء کو مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ گیٹ لاہور میں مرکزی تربیتی اجتماع منعقد ہوگا جس میں حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی حضرت شاہ ولی اللہؒ کے فلسفۂ انقلاب اور اس کے اقتصادی پروگرام کے بارے میں لیکچر دیں گے۔ متعلقہ حضرات کو دعوت نامے ارسال کر دیئے گئے ہیں۔ جن حضرات کو دعوت نامے مل چکے ہیں وہ اس اجتماع میں شرکت کریں کہ بھرپور بنا کریں اور روایتی انداز میں اس اجتماع کو کامیاب بنائیں۔ مدعوین حضرات کو تاکید کی جاتی ہے کہ وہ اس اجتماع میں ہر صورت شریک ہوں۔ اس سلسلہ میں کوئی عذر قابل قبول نہ ہوگا۔

ہوئی۔ جو آپ کی امامت سرے سے تسلیم نہ کرے یا تسلیم کرنے سے انکار کر دے وہ باغی مستحل الدّم ہے، اور اس کا قتل کفار کے قتل کی طرح عین جہاد اور اس کی بے عزتی تمام اہلِ فساد کی طرح خدا کی عین مرضی ہے اس لئے کہ ایسے لوگ بحکم احادیث متواترہ کلاب النار اور ملعونین اشرار ہیں اس مسئلہ میں اس ضعیف کا یہی مذہب ہے اور معترضین کے اعتراضات کا جواب تلوار ہے نہ کہ تحریر و تقریر۔

بیعت اور امامت کے مفہوم کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"جیسے نوکری کا تعلق سلاطین کے عرف میں اور قرابت داروں کا تعلق   کے عرف میں اس لئے شریعت نے تعلق بیعت کا اعتبار کیا ہے جس طرح کہ صاحب شوکت سلاطین وہ ہوتے ہیں کہ نوکروں کا مجمع کثیر ان کے ہمراہ ہوتا ہے اور اغنیاء کے عرف میں وہ ہوتے ہیں کہ "اموال" کا مجمع کثیر ان کے پاس ہوتا ہے۔ اس طرح شریعت کے عرف میں امام صاحبِ شوکت وہ ہے جس کے ہاتھ پر مسلمانوں کے مجمع کثیر نے بیعت کی ہو کیونکہ بیعت کا تعلق شرع کے نزدیک ملازمت اور قرابت کے تعلق سے قوی مانا گیا ہے"۔ الخ

(سیرت سید احمد شہیدؒ
از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

پس اس تفصیل و تحقیق سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ سید احمد شہیدؒ نہ صرف امیر المجاہدین تھے بلکہ وہ ایک مستقل نظام کے تحت شرعی نقطہ کے مطابق امیر المؤمنین اور امامت و خلافت کے منصب پر فائز تھے۔